یہ آنکھوں دیکھا لال چین

برج کشور شاستری

آنکھوں دیکھا

لال چین

برج کشور شاستری

پنجاب پبلشرز۔ جالندھر

پہلی بار نومبر ۱۹۵۴ء

چودھری پرنٹنگ پریس جالندھر
میں بہ اہتمام بابو تلک راج صوری پروپرائٹر چھپا
اور شری منگت رام نے
پنجاب پبلشرز۔ جالندھر
سے شائع کیا

قیمت:۔ چار آنے

پیش لفظ

شری برج کشور شاستری نے ہندوستانی چینی مزدوروں کی سیوا جس قابلیت اور محنت سے کی ہے، اس نے انہیں ہندوستانی مزدور رہنماؤں میں ایک خاص جگہ دے رکھی ہے پچھلے برس مئی دوس کے موقعہ پر جب ہند کے مزدور رہنماؤں کا ایک ڈیلی گیشن چین گیا، تو شاستری جی اس ڈیلی گیشن کے ایک ممبر تھے، چین کے سلسلہ میں آجکل طرح طرح کی باتیں چل رہی ہیں، شاستری جی نے ہندوستانی عوام کی ایک بہت بڑی سیوا یہ کی ہے کہ انہوں نے چین میں جو کچھ دیکھا، اسے قلمبند کرتے گئے۔

یہ کتاب شاستری جی کی ڈائری کو ایک جگہ اکٹھا کر کے شائع کی جا رہی ہے، تاکہ ہندوستانی عوام چین کی صحیح تصویر دیکھ سکیں ———

اس کتاب کا آخری باب شاستری جی کا وہ مضمون ہے۔ جو انہوں نے حال ہی میں اپنی ڈائری کے نقطہ چینوں کے جواب میں لکھا ہے۔

(۱)

دیوارِ چین

۱۳ ؍مئی سنہ ۱۹۵۳ء

ہم لوگوں کی موٹر گاڑی دھیمی رفتار سے گریٹ وال کی طرف جا رہی ہے۔ دیوارِ چین عجائباتِ عالم میں سے ایک ہے۔ گاڑی کی سبھی کھڑکیاں بند ہیں باہر زوروں سے آندھی چل رہی ہے۔ زمین ریت سے بھری ہوئی ہے۔ کوئی گاؤں نظر نہیں آ رہا ہے۔ دور تک پہاڑ کی چوٹیاں نظر آ رہی ہیں۔ ہماری گاڑی میں روسی ڈیلی گیشن اور ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ممبر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دُنیا کی ایک نئی چیز دیکھنے جا رہے ہیں۔ اس لئے رہ رہ کر خواہش ہوتی ہے۔ کہ چین کی وہاں دیوار جلدی دکھائی کیوں نہیں دے رہی؟ کچھ لوگ بات چیت کر رہے ہیں؛ اور کچھ گنگنا رہے ہیں۔ ہمارے کچھ ساتھی روسی ڈیلی گیشن کی ازبکستانی عورت ممبر کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کہ وہ انہیں ازبکستانی گانا سنائے۔ میری بغل میں بیٹھی ہوئی ہماری چینی مترجمہ شرمتی لی بھی ہندوستانی ممبروں کی مانگ دہرا رہی ہے۔ میں خود بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ازبکستانی گانا سننا چاہتا

دل۔ مگر دماغ ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ رہ رہ کر میں سوچنے لگتا ہوں۔ کیا یہی وہ لال چین ہے، جس کے متعلق اتنی تعریف سُن رکھی تھی۔ اور جسے دیکھنے کے لئے میں اتنا خواہشمند تھا۔ اِس سے تو اچھا ہمارا ہی دیش ہے۔

۲۳ ر اپریل کو اس ملک میں میں داخل ہوا۔ اور آج تک میں نے جو کچھ دیکھا۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ چین کے متعلق سُن کر جو نقشہ تیار کیا تھا، وہ بالکل بے بُنیاد تھا۔ پھر میں سوچتا ہوں۔ کہ کہیں غلطی تو نہیں کر رہا ہوں۔ ہمارے کمیونسٹ ممبر تو یہاں کی ہر ایک چیز کی تعریف کرتے نہیں تھکتے یہاں تک کہ ہل میں بیلوں کی جگہ عورتوں کو جُتا ہوا دیکھ کر وہ کہتے ہیں۔ کہ نئی حکومت کے قیام کے بعد چین کے شہریوں میں محنت کرنے کی کتنا اُتساہ پیدا ہوا ہے۔ جو نئے چین کی تعمیر میں اٹوٹ محنت کرنے میں جٹے ہوئے ہیں یا دماغ میں طوفان چل رہا ہے۔ اور ہماری گاڑی بھی اونچی نیچی سڑک پر بھاگی چلی جا رہی ہے۔

دریائی سکیم

صبح یانگ تینگ (YANGSTEI) دریائی سکیم دیکھنے گئے۔ یہ وہ علاقہ ہے، جہاں برابر آندھی چلتی رہتی ہے۔ ہم لوگ پیکنگ سے ایک سپیشل پر نٹنڈنٹ گاڑی سے نزدیک کے ایک ریلوے سٹیشن پہ لائے گئے۔ وہاں سے سرکاری بس کے ذریعہ ندی تک لے جائے گئے۔ لیکن آندھی اتنی تیز رہتی ہے۔ کہ چھوٹی گاڑی الٹ جاتی ہے۔ بچپن میں میں نے جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ چین میں ایک ایسا بھی علاقہ ہے۔ جہاں برابر آندھی چلتی رہتی ہے۔ آج

میں نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔ جسم کو مٹی اور ہوا سے بچانے کے لئے برساتی سے اپنے جسم کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اِس آندھی اور ریت بھرے علاقے میں بھی ہم لوگوں کا اِتنا شاندار استقبال ہوا۔ جس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ جہاں ندی میں ڈیم بنایا جا رہا ہے۔ وہاں افسروں کے لئے بنگلے بنا دیئے گئے ہیں تقریباً چار یا پانچ ہزار مزدور کام کر رہے ہیں۔ پتھر توڑنے سے لے کر پہاڑ توڑنے اور سرنگ بنانے کے سبھی کام ہاتھوں سے ہو رہے ہیں۔ مزدوروں کے ہاتھوں میں جو اوزار ہیں، وہ بھی پرانے ہی قسم کے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی منہ کو مٹی سے بچانے کے لیے نقاب اور آنکھوں کی حفاظت کے لئے ابرق کے چشمے ہم لوگوں کو دیئے گئے۔ لیکن مزدور تو یُوں ہی کام کر رہے ہیں۔ ہوانی ندی سکیم کے بعد چین سرکار کی یہ دوسری ندی سکیم ہے۔ سارے کام ہاتھوں سے ہو رہے ہیں۔ اِنسان کی محنت کیا کر سکتی ہے۔ اس کا احساس مجھے ہو رہا ہے۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں۔ کہ اگر ہماری سرکار بدیشی سرمایہ کی اُمید چھوڑ کر اِنسان کی محنت کا استعمال کرے، تو ہمارا دیش بھی اپنی تعمیر میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سکیم میں جس طرح مزدوروں سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سے تو مجھے نفرت ہو رہی ہے۔ آخر اِنسان اِنسان ہے۔ دیش کی تعمیر کے لئے اُسے مشین نہیں بنایا جا سکتا۔ جس طرح مزدوروں سے یہاں کام لیا جا رہا ہے۔ اس کی حمایت ہمارے جیسے سیاسی کارکن نہیں کر سکتے۔

اس آندھی اور ریت بھرے علاقے میں پتھر پہاڑ توڑنے کا کام اور پھر اُجرت کتنی؟ مہینہ میں صرف ۵۰ یونٹ۔ چین میں تنخواہ دینے کے لئے یونٹ کا حساب پرانے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ ایک یونٹ ۲۲۰۰ سے ۲۴۰۰ چینی سکوں کے برابر ہوتا ہے۔ چین میں چیزوں کے گھٹنے بڑھنے

کے ساتھ ہی یونٹ کی قدروں میں بھی اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستانی روپیہ کے حساب میں چین کے ۵۰ یونٹ کا مطلب ہے۔ ۲۵ روپیہ سے لے کر ۲۸ روپیہ تک۔ ان مزدوروں کے بھوجن میں ہی ۲۰ روپے تو لازماً خرچ ہو جاتے ہوں گے۔ کیونکہ ہند کے مقابلہ میں یہاں کی سبھی چیزیں مہنگی ہیں چاول، کپڑا، تیل، کوئلہ اور نمک جو عام جنتا کے روزانہ استعمال کی چیزیں ہیں، ان کی قیمت بھی ہند کی نسبت ڈیوڑھی تو لازماً ہی ہے۔ دوسری چیزوں کی قیمتیں تو بے حد زیادہ ہیں۔ کیونکہ چینیوں کا کھانا تو بہت سادھارن ہے۔ اس لئے ان کا بھوجن ۲۰ روپے میں ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر مزدور باہر سے لائے گئے ہیں۔ وہ کام چھوڑ کر دوسری جگہ جا بھی نہیں سکتے تو پھر وہ کیا کریں، انہیں تو کام کرنا ہی پڑے گا۔ کمیونسٹ پارٹی اور چیرمین ماؤ سے تنگ کا حکم ہے۔ کہ چین میں کوئی آدمی بیکار نہیں رہے گا۔ اس لئے چین کے مزدوروں کو کام کرنا پڑیگا چاہے وہ زندہ رہیں یا مر جائیں۔ انلیاً اسی کو امریکہ اور یورپ والے "مزدور نظر بند کیمپ" یا "زبردستی کام" کے نام سے پکارتے ہیں۔

گھر کی یاد؟

کماری چو نے آواز دی ـــــ "گھر یاد آ رہا ہے کیا؟ کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا دریائی سکیم پسند نہیں آئی؟ میں کیا جواب دوں۔ میں نے جواب دیا کہ "چین کی دیوار" کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ اسی درمیان ایک ہندوستانی کمیونسٹ بول اٹھے۔ ہند میں ایسی کوئی دریائی سکیم ہے ہی نہیں۔ دل کو گہری ٹھیس لگی۔ ایسے لوگ جو اپنے ملک کے متعلق تھوڑی سی واقفیت بھی نہیں رکھتے، انہیں دوسرے دیشوں میں نہیں بھیجنا چاہیئے۔ کماری چو نے مجھ سے سوال کیا

کیا سچ مچ بھارت میں ایسی کوئی دریائی سکیم کام میں نہیں لائی جا رہی ؟ میں نے آہستہ سے جواب دیا - کہ ہاں ، ایسی یوجنا تو نہیں چلائی جا رہی ہے - جس میں صرف ہاتھوں سے ہی کام کیا جاتا ہو - میں نے داموددیلی پروجیکٹ کا ذکر کیا ، اور کہا ، کہ ہم لوگ زیادہ تر کام مشین سے لے رہے ہیں - تاکہ مزدوروں پر کام کا بوجھ زیادہ نہ پڑے ، اور کام زیادہ ہو ، حالانکہ اس سے بیکاری کا سوال حل نہیں ہوتا - میں چین میں بحث مباحثہ سے دور بھاگتا رہا ہوں - کیونکہ اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا - میں سوچ رہا ہوں ، دامودر ویلی پروجیکٹ میں تلیا ڈیم سے سینچائی اور بجلی کا جتنا کام ہوگا - اغلباً یانگ ٹینگ پروجیکٹ کی طرح دس سکیمیں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی -

ماؤ کا لوسٹ

اب ہماری گاڑی میدان کا سفر ختم کر کے پہاڑ کی بغل میں چلی جا رہی ہے - سڑک اونچی نیچی ہے - چین میں ہند کی طرح نہ تو ریلوے لائن ہے - اور نہ سڑک ہی - ایک ہی ریلوے لائن ہے - جو کینٹن سے چلتی ہے - اور پیکنگ تین سنگ : تنگھائی سے ہوتی ہوئی چین کی سرحد پار کر روسی لائن سے مل جاتی ہے - اچھی سڑکوں کی تو بے حد کمی ہے - لیکن ہمارا ڈرائیور بہت ہوشیار ہے - اونچی نیچی سڑک کے دھکوں سے ہم لوگوں کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے - ہماری مترجم بھی ہم لوگوں کو خوش رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش رہی ہے - میرا دماغ پھر دریائی پروجیکٹ کی طرف بھاگتا ہے - کتنا شاندار استقبال ہم لوگوں کا ہوا ، اس آندھی والے دیش میں بھی ہزاروں نر ناری دو قطاروں میں کھڑے تالیاں بجا رہے تھے - بینڈ بج رہے تھے - مکتی فوج

کے کلچرل دل کے نوجوان آدمی اور عورتیں بلائی گئی تھیں - اس استقبال کے بعد کون غرور سے اپنا سر اونچا نہیں کرے گا؟ پروجیکٹ دیکھنے کے بعد پھر مہمان گھر میں واپس آ گئے - یہاں سنچالک نے پروجیکٹ کے متعلق واقفیت بہم پہنچائی - ہر پر ہر ایک کے لئے کھانا چنا ہوا ہے - عام کھانا نہیں، ہند کے بڑے سے بڑے ہوٹلوں میں جس طرح کا لنچ ملتا ہے - اس سے کسی طرح بھی کم نہیں، طرح طرح کی شراب کی بوتلیں میز پر رکھی ہوئی ہیں - میں نے تو بیٹھتے ہی سنگترے کے رس والی بوتل کھولی - اور اپنا گلاس بھر لیا - سنچالک نے ٹوسٹ پروپوز کیا - اور شراب کا دور چلنے لگا - باہر کھڑکیوں سے کچھ بچے ہم لوگوں اور ہمارے کھانے کی طرف جھانک رہے ہیں - نہ جانے وہ کیا سوچ رہے ہیں - ادھر مترجم مجھ پر بھی زور دے رہی ہے کہ کم از کم ایک پیگ شراب تو پی ہی لوں - تاکہ تھکاوٹ دور ہو جائے - لیکن میں اس کی یہ بات نہ مان سکا بیچاری کیا سمجھتی ہوگی، کہ ایک نوجوان عورت کے کہنے پر بھی ہیں چیرمین ماؤسی کی صحت کے ٹوسٹ کے نام پر بھی میں شراب نہیں پی رہا ہوں - اس کے دل کو ٹھیس تو ضرور پہنچی ہوگی - لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں - ایک طرف بھوجن اور شراب کی ایسی دعوت اور دوسری طرف اسی جگہ پر نئے چین کی تعمیر کرنے والے محنت کشوں کی حالت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے؛

دیوار اونچی ہو رہی ہے؟

شرمیتی لی نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا، کہ چین کی مہان دیوار سامنے دکھائی دے رہی ہے - کیا اس کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں؟ میں نے جان بوجھ کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا - میں نے ان سے اصرار کیا - کہ وہ مجھے اس

دیوار کے متعلق پوری واقفیت بہم پہنچائیں۔ اُنہوں نے بتایا۔ کہ یہ دیوار تقریباً دو ہزار میل لمبی ہے۔ اِسے چین کے ایک سمراٹ نے بنوایا تھا۔ وہ سمراٹ بڑا ظالم تھا۔ اس نے لوگوں سے زبردستی کام لے کر اس عجوبہ دیوار کو تعمیر کرایا تھا۔ نہ جانے کتنے لاکھ لوگ اِس دیوار کے بنانے میں موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔ لیکن اس نے چین میں راج نیتی اور زبان کی ایکتا سب سے پہلے قائم کی۔ میں نے پُوچھا، اس دیوار کے بنانے کا مقصد کیا تھا؟ انہوں نے کہا، کہ اُس زمانہ میں بہت سی ایسی خانہ بدوش قومیں تھیں، جو گاؤں میں آکر لُوٹ مار کر کے بھاگ جاتی تھیں۔ اکثر لُٹیرے لوگ گھوڑوں پر چڑھ کر آیا کرتے تھے۔ اِس لئے اِس دیوار کی اُونچائی اتنی رکھی گئی ہے۔ کہ گھوڑے پر چڑھ کر بھی کوئی اِس دیوار کے اُس پار نہیں جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی دیوار اتنی چوڑی بنائی گئی ہے۔ کہ لُٹیروں سے حفاظت کے لئے دیوار کے اُوپر گھوڑ سوار پہرہ دے سکیں۔ میں سوچنے لگا، کہ اگر یہ باتیں سچ ہیں، تو اُس حکومت اور موجودہ حکومت میں کیا فرق ہے۔ میں نے کماری چُو سے اصرار کیا۔ کہ وہ قومی گیت سنائیں۔ جس میں اپنے خون اور پسینہ سے ایک نئی جہاں دیوار بنانے کی خواہش ظاہر کی گئی ہے۔ شرمیتی لی کمیونسٹ پارٹی کی پُرانی اور سمجھدار ممبر ہیں۔ وہ ہمارا مقصد سمجھ گئیں۔ انہوں نے مجھ سے فوراً پوچھا۔ کہ کیا آپ آج کی حکومت کا مقابلہ اس پُرانی حکومت سے کر رہے ہیں؟ ہماری گاڑی دیوار کے نزدیک آکر رُک گئی، اور میں شرمیتی لی کو جہاں دیوار کے متعلق واقفیت بہم پہنچانے کے لئے دھنیواد دیکر باہر نکل آیا۔

(۲)

سن یت سین کی سمادھی پر

سیب کا ٹکڑا!

نانکنگ ۔۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۳ء

بھوجن سے پہلے ڈیلی گیشن نانکنگ کا مزدور ہسپتال اور چھوٹی چھوٹی مشینیں پیدا کرنے والی فیکٹری دیکھنے کے لئے گیا۔

بھوجن کے بعد میں اپنے ہوٹل کے کمرہ میں چلا گیا۔ اور صوفہ پر رکھا ہوا سیب کا ایک ٹکڑا آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ سوچ رہا تھا، کہ چینی لوگ مہمانوں کی کتنی عزت کرتے ہیں۔ انہیں کتنا آرام دیتے ہیں۔ پیکنگ کا سب سے بڑا ہوٹل صرف ہم لوگوں کے لئے ریزرو ہے۔ کوئی دوسرا آدمی یہاں تک کہ چین کا کوئی شہری بھی پولیس کی اجازت کے بغیر اس ہوٹل کے اندر نہیں آ سکتا۔ مہمانوں کو کسی بات کی تکلیف نہ ہو، اس کا پورا دھیان رکھا گیا ہے۔ ہوٹل کے نیچے کے حصہ میں سکیورٹی سٹاف کے افسر رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ چین میں اِس محکمہ میں زیادہ تر نوجوان عورتیں ہی کام کرتی

ہیں۔ ہم لوگوں کو شروع میں تین لاکھ چینی سکے پاکٹ خرچ کے لئے ملے ہیں۔ سات لاکھ پیکنگ سے چلتے وقت دیئے گئے ہیں۔ لیکن مجھ جیسے آدمی کے لئے ان رقوم کا خرچ کرنا ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ کیونکہ جس چیز کی ہمیں ضرورت پڑتی ہے۔ اس کا نام لیا، اور ہوٹل والوں نے فوراً اس چیز کو کمرے میں لا حاضر کیا۔ ایسی حالت میں پاکٹ خرچ کے لئے ملی رقوم کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ یہ ہم سب کے لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ ایک دن ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ایک ممبر نے ہوٹل کی دوکان سے تیل کی ایک بوتل خریدی۔ جب وہ اس کی قیمت ادا کرنے لگا۔ تو دوکاندار نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس کی قیمت آل چائنا فیڈریشن آف لیبر کے دفتر سے لے لے گا۔ چینی بھاشا نہ جاننے کے کارن ہم لوگوں کے لئے بازار سے خرید و فروخت کرنا آسان نہیں ہے۔ چین میں مہمانوں کا اتنا شاندار استقبال کیا جاتا ہے، جس کی کوئی کلپنا بھی نہیں کر سکتا ہے! دوسرے ملکوں کے ڈیلی گیشنوں کے ممبروں کو جتنا آرام دیا جاتا ہے۔ اتنا شاید ہندوستان میں بڑے بڑے راجے مہاراجے کو بھی حاصل نہ ہوگا۔ اتنا ہونے پر بھی اگر چین کی کوئی تعریف نہ کرے۔ تو اس کا کیا کیا جائے!

ڈیلی گیشن کا سارا پروگرام سرکار تیار کرتی ہے۔ اور سرکار کی نظر میں جو آدرش گاؤں، کارخانے، سکول وغیرہ ہیں۔ وہ ہی باہر سے آنے والوں کو دکھائے جاتے ہیں۔ دیکھنے والے بھی سرکاری پروگرام میں ایسے پھنس جاتے ہیں، کہ انہیں اپنی خواہش کے مطابق کوئی چیز دیکھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ سرکاری طور پر دکھلائے گئے اداروں کی تعریف تو ہر سبھا اور اخبار وغیرہ میں ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کسی نے اس بات پر کبھی کوئی

چرچا نہیں کی، کہ کینٹن، پیکنگ۔ مکدن، نانکنگ وغیرہ چین کے بڑے
شہروں میں ہزارہا کی تعداد میں رکشا والے ہیں۔ جن کے کپڑوں میں پیوند
کی بھرمار ہے۔ وہ کڑاکے کی سردی اور موسلادھار بارش میں سڑک پر مسافر
کے انتظار میں کیوں کھڑے رہتے ہیں؟ ان کے بارے میں سوچنے اور کچھ
کی تکلیف کوئی کیوں نہیں کرتا؟

دادا کا نظریہ!

میں یہی سوچ رہا تھا، کہ میرے کمرے میں شری رین رائے چودھری
داخل ہوئے۔ انہوں نے ہنستے ہوئے میرے میز پر سے ایک سنگترہ
اٹھاتے ہوئے کہا، "تم لوگ چین کے مزدوروں کی مہمان نوازی کی عزت کر
نہیں جانتے۔ ایک سنگترہ کی قیمت یہاں تقریباً دو روپے ہے۔ پھر
وہ لوگ تمہارے لئے پھل بھیج دیتے ہیں۔ اور تم انہیں کھا نہیں پاتے۔ یہ
سوکھ کر برباد ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ کیا سوچیں گے، کہ ہند کے مزدور
نیتاؤں کو سنگترہ کھانے کی کبھی عادت نہیں ہے۔"

رینن بابو، جن کو ہم لوگ دادا کہا کرتے ہیں، ہر روز سویرے اُٹھ
کر رس کا ایک گلاس پی لیتے ہیں۔ اور دو چار سیب بھی کھا لیتے ہیں۔ ہم
لوگوں کے اوپر اُن کی مہربانی رہتی ہے۔ ورنہ ہمارے کمرے میں میز پر
پڑے پڑے پھل سوکھ کر برباد ہو جاتے۔ دادا نے پوچھا، "کہو ہسپتال
کیسا لگا؟" میں نے جواب دیا۔ کہ یہ ہسپتال صرف مزدوروں کے لئے
ہے، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ نانکنگ تو کوئی صنعتی مرکز ہے نہیں
پھر بھی صرف مزدوروں کے لئے ایک ہسپتال ہو، اور اس میں دوسرے

لوگوں کو جانے کی اجازت نہ ہو، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے، کہ یہاں پر دوائیاں اتنی مہنگی ہیں، کہ مزدور اسے کیسے خرید پاتے ہوں گے، ہند کے لوگوں کا معیارِ زندگی یہاں کے لوگوں کی نسبت اونچا ہونے پر بھی وہاں کے لوگ یہاں سے کئی گنا سستی دوا نہیں خرید سکتے۔

دادا ہنسنے لگے، انہوں نے کہا، یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ تم ہر ایک چیز کو ایک نکتہ چین کی نظر سے دیکھتے ہو۔ جس طرح ایشور کے متعلق کوئی بحث نہیں کی جاسکتی، اسی طرح چین کے متعلق کوئی بحث مت کرو جو کچھ بتایا جائے، اس پر یقین کرو۔ کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی اور چیئرمین ماؤ کے حکم کو بجا لاؤ۔

ماڈل ورکر!

آج کا ایک مزیدار واقعہ دماغ میں چکر کاٹ رہا ہے۔ ہم لوگ "سمال مشین ٹولز پروڈیوسنگ فیکٹری" دیکھنے گئے۔ ایک لڑکی جس کی عمر سولہ سترہ سال کے قریب ہوگی، جو ماڈل ورکر ہے۔ ہم لوگوں کے ساتھ ہے، وہاں کی ٹریڈ یونین کے صدر ہم لوگوں کو فیکٹری کی مشینری سمجھا رہے تھے جب فیکٹری کا معائنہ ختم ہو گیا۔ تب میں نے ان سے پوچھا، کہ یہاں کل کتنے مزدور کام کرتے ہیں؟ انہوں نے بتایا، کہ اس وقت اس فیکٹری میں ۱۱۷۳ مزدور کام کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، کہ ان میں سے یونین ممبر کتنے ہیں، جواب ملا۔ ۹۸۷۔ سبھی لوگ فیکٹری کا معائنہ ختم کرنے کے بعد مزدوروں کے کلچرل بھون میں گئے۔ حسب معمول ہم لوگوں کو فیکٹری کی پیداوار کی رپورٹ سنائی گئی۔ اور یہ بھی بتایا گیا، "نجات" سے پہلے یہاں کے

مزدوروں کی اقتصادی حالت کیسی تھی۔ اور "نجات" کے بعد کمیونسٹ پارٹی اور چیرمین ماؤ کی رہنمائی میں "سویٹ اینڈ ڈالش" ٹکنیک کو اپنا کر یہاں کے مزدوروں نے کتنی ترقی کی ہے۔ میں نے اپنے اعداد و شمار اکٹھے کرنے کے لئے ڈائرکٹر مہاشے سے پوچھا، کہ اس فیکٹری میں مزدوروں کی کل تعداد کتنی ہے؟ جواب ملا کہ ۱۹۴۹ء کو ۱۰۰ مان لیا جائے، تو اس تعداد میں ۸۰ فی صدی اضافہ ہوا ہے۔ میں نے کوشش کی، کہ اس وقت کے اعداد و شمار مل جائیں۔ لیکن ڈائرکٹر نے یہ مہیا کرنے میں اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ ہم لوگوں کے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ جہاں ہم لوگ گئے۔ اور اعداد و شمار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تو جواب ملا۔ کہ ۱۹۴۹ء کو ۱۰۰ مان لیا جائے، تو ۸۰ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ دادا کو میں نے آج کا واقعہ سنایا، وہ ہنسنے لگے۔ ہمارے ساتھی شری جواہر پرشاد سنہا جو ابھی تک اپنی سپرنگ دار چارپائی پر لیٹے ہوئے ریشمی لحاف کا آنند لے رہے تھے۔ ناراض ہو اٹھے۔ انہوں نے کہا، کہ چین میں لوگ آنند لینے آتے ہیں۔ آپ فضول مغز پچی کر رہے ہیں۔ آپ کی باتوں کا جواب چینی لوگ نہیں دے سکتے آپ کو سرو شری سندر لال، کمار آپا، گوبند سہائے وغیرہ ہی جواب دے سکتے ہیں۔ وہ جواب اس طرح کا ہوگا۔ جس کا خیال تک بھی چینی لوگ نہیں کر سکتے۔ یہ بات جاری ہی تھی، کہ باہر سے آواز آئی "کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" میں نے جواب دیا۔ "براہ مہربانی اندر تشریف لے آئیے!" دروازہ کھول کر کماری چو جو ہماری مترجمہ تھیں۔ اندر آئیں، اور کہا، کہ سونگیہ سن یت سین کی سمادھی دیکھنے جانے والوں کو آدھے گھنٹے میں تیار ہو جانا چاہیے۔

کل جب بارش کے کارن سونگیہ سن یت سین کی سمادھی دیکھنے کا کام

ملتوی ہوا تھا - تب ہم لوگوں کو تھوڑی سی تکلیف ہوئی تھی - مہاتما گاندھی جی کی جو دین ہند کو ہے، وہی سورگیہ سن یت سین کی دین چین کو ہے - نانکنگ میں آ کر اُن کی سمادھی پر پھول نہ چڑھائے جائیں - یہ غیر مناسب بات تھی - سمادھی دیکھنے کی خبر سُن کر ساتھیوں کو بے حد خوشی ہوئی - سبھی لوگ چلنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے -

مُرغِ دل!

ہماری موٹر گاڑی نانکنگ کی بڑی بڑی سڑکوں کو پار کرتی ہوئی سمادھی کی طرف بھاگی جا رہی ہے - ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ایک ممبر پنڈت تری ویدی پر مانند "مرغِ دل مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع" والا گانا قوالی کی طرز میں جھوم جھوم کر گا رہے ہیں - چینی اور روسی ڈیلی گیٹ قوالی کی مستی میں تالیاں بجا رہے ہیں - سبھی خوش دکھائی دے رہے ہیں - اب ہماری گاڑی نانکنگ شہر کو پار کر رہی ہے - چین میں ہر گاؤں اور شہر کے چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہے - ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ دکھائی دینے لگے - کتنا سندر نظارہ ہے! شہر سے کافی دور جا کر ہم لوگوں کی گاڑی رُکی - سورگیہ سن یت سین کی سمادھی ایسی جگہ بنی ہوئی ہے - جو بذاتِ خود قدرتی شانتی کا سندیش دے رہی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ تقریباً ۳۰۰ سیڑھیاں پار کر کے ہم لوگ سمادھی کے نزدیک پہنچے - سورگیہ سن یت سین کی مورتی "جو سنگ مرمر کی ہے - اور اُن کے سائز کے برابر کی بنی ہوئی ہے - سمادھی کے اوپر رکھی ہوئی ہے - لیکن سمادھی پر پھول چڑھانے کا جو انتظام وہاں دیکھا، اس سے دِل کو

کھٹیس پہنچی۔ دادا پہلے سے ہی کہہ رہے تھے۔ کہ سمادھی پر چڑھانے کے لئے پھول خرید کر لے چلنا، میں نے ہند مزدور سبھا کے ڈیلی گیشن کے نیتا شری شونا تھ بنیرجی سے بھی اپنی خواہش ظاہر کی تھی، کہ ہم لوگ اپنے پیسے سے پھول خرید کر سمادھی پر چڑھائیں گے۔ لیکن میزبانوں نے پھول خریدنے کا کوئی اِنتظام نہیں کیا۔ ہم لوگ پیکنگ کا وہ شہیدی مقام دیکھنے گئے، جہاں پر ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک چیانگ کی سرکار کمیونسٹ کارکنوں کو گولیوں سے اُڑا دیا کرتی تھی۔ اِس جگہ کو "پھول اَور بارش" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کل جب ہم اِس یادگار پر پھول چڑھانے گئے، تو میزبانوں نے سب ممبروں کے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک ایک گلدستہ دیا، اَور پھولوں کا ایک بہت بڑا ہار جس کو سبھی ڈیلی گیشن کے ممبروں نے مل کر اٹھایا، اَور یادگار پر چڑھایا۔ لیکن آج؟ یہاں پر پھولوں کا کوئی اِنتظام نہیں ہے۔ پھولوں کے ایک ہی ہار کو بین الاقوامی مزدور سنگھ اَور روسی ڈیلی گیشن کے نیتاؤں نے اٹھا کر سمادھی پر چڑھایا۔ ہم لوگوں نے اپنے دلوں کو مسوستے ہوئے سورگیہ سن یت سین کی سمادھی پر اپنی بھینٹ کی۔ سوچ رہا تھا، کہ شریمتی سن یت سین چینی رہی پبلک کی نائب صدر ہیں۔ اَور اُن کے پتی سورگیہ سن یت سین جنہوں نے چین کی تعمیر کی، اُن کی عزت دوسرے ممالک کے نمائندوں کے سامنے اِس شکل میں کی جا رہی ہے۔ کاش! وہ دیکھتیں اَور چینی رہی پبلک کی اصلیت کو سمجھ پاتیں!

پر شردھانجلی

اپنی شردھانجلی بھینٹ کرنے کے بعد میں دکھی دل سے سیڑھیوں

سے نیچے اُترنے لگا۔ ۹ رمئی ۱۹۵۳ء کی یاد آئی۔ اس روز چین کی وزارت داخلہ کے سیکرٹری پیکنگ ہوٹل کے ڈانس گھر میں چین کے اگلے چناؤ کے بارے میں ڈیلی گیشنوں کے ممبروں سے بات چیت کر رہے تھے۔ اُنہوں نے میرے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا، کہ چین کے اگلے چناؤ میں کوئی بھی پارٹی کسی دوسری پارٹی کے پروگرام اور پالیسی پر نکتہ چینی نہیں کر سکتی۔ اُنہوں نے یہ بھی بتلایا، کہ چناؤ میں مقابلہ کی اجازت دی جائیگی۔ سب پارٹیوں کی رائے سے اُمیدواروں کی ایک لسٹ بنیگی۔ اور اسی پر لوگوں کو اپنی رائے ظاہر کرنی ہوگی۔ اِس چناؤ کو کامیاب بنانے کے لیے اُنہوں نے کم از کم ۳۰ لاکھ لکھے پڑھے کارکنوں کی ضرورت بتلائی۔ یہ کارکن گاؤں میں جاکر ایسا انتظام کریں گے۔ کہ چناؤ میں سبھی لوگ ایک آواز سے لسٹ میں درج اُمیدواروں کو چُن لیں۔

(۳)

لال چین کا سیاسی نقشہ

آٹھ پارٹیاں

ہوم سیکرٹری کی اطلاعات کے مطابق چین میں کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ آٹھ سیاسی جماعتیں اور ہیں۔ یہ جماعتیں کیا ہیں، کسی کو اس کا پتہ چلنا مشکل ہے میں نے ان جماعتوں کے آئین کی نقل اور پروگرام دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اپنے میزبان سے اصرار کیا، کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ لیکن اس کا جواب نہیں ملا۔ دراصل بات تو یہ ہے، کہ یہ جماعتیں کاغذی جماعتیں ہیں، چین کی کمیونسٹ پارٹی نے دنیا کو وہم میں مبتلا کرنے کے لئے یہ آٹھ دوسری تنظیموں کو کاغذ پر کھڑا کر رکھا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی، تو کہیں نہ کہیں اُن کے ممبر ملتے۔ اور کسی نہ کسی جماعت کی رپورٹ میں ان پارٹیوں میں سے کسی نہ کسی کا ذکر ہوا ہوتا۔ کارخانے، اسکول، ہسپتال۔ کلچرل گھر، بچوں کے گھر، گیان مندر، صحت گھر، یونیورسٹی وغیرہ جہاں کہیں بھی ہم لوگ گئے۔ ایک ہی

طرح کی رپورٹ سنائی گئی۔ اور ہر رپورٹ کے آخر میں اس بات کا ذکر لازمی طور پر ہوتا تھا، کہ یہ کام کمیونسٹ پارٹی اور چیئرمین ماؤ کی زیر رہنمائی ہو سکا ہے۔ اس لئے ان پارٹیوں کی اصلیت سمجھنے میں ذرا بھر دیر بھی نہیں لگی، جو لوگ سمجھنا نہیں چاہتے، ان کے بارے میں کچھ سوچنا بیکار ہے۔ ایسے ۳۰ لاکھ تربیت یافتہ کارکن کون ہوں گے؟ ان کارکنوں کی تقدیم ہم دیکھ چکے ہیں۔ روسی استاد انہیں صرف مارکس واد کی تعلیم دیتے ہیں چناؤ کے بہانے ان کارکنوں کو گاؤں میں بٹھا کر کمیونسٹ پارٹی نے اپنا قلعہ مضبوط کر لینے کی سکیم بنا رکھی ہے۔ ان کارکنوں کے گاؤں میں ڈٹ جانے کے بعد سرکاری احکام کے خلاف ایک بھی آدمی زبان ہلانے کی حماقت نہیں کرے گا۔

ملک یا جیل!

چینی ری پبلک کے عام پروگرام کی پانچویں کلاز کہتی ہے۔ کہ چینی ری پبلک میں ہر ایک شہری کو سوچ وچار کرنے، لیکچر دینے۔ اخبارات شائع کرنے، جلسے کرنے، پارٹیاں بنانے، مذہبی کام چلانے کی پوری آزادی رہے گی، لیکن اصلیت کیا ہے؟ کوئی بھی شخص سرکار پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا ہے۔ اگر سرکار کے خلاف کسی نے کچھ کہا، تو دوسرے روز اُسے کہاں بھیج دیا جائے گا۔ اس کا علم کسی کو نہیں ہوگا۔ لوگوں نے بتایا، کہ چین میں کوئی بھی عام سبھا کی بات تو دور رہی، آپس میں بھی سرکاری کاموں کی نکتہ چینی کرنا بھی ناقابل معافی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسے لوگ یا تو گرفتار کر لئے جاتے ہیں، یا دماغی صفائی کے لئے کال کوٹھڑیوں کے اندر ٹھونس

دیئے جاتے ہیں یا گولیوں سے اُڑا دیئے جاتے ہیں۔

چین میں کوئی ایسی عدالت تو ہے نہیں، جو آئین میں دیئے گئے حقوق کی حفاظت کر سکے، جو کچھ سرکاری افسر کہہ دیں، وہی آئین ہے۔ آج چین کی جیلوں میں قیدیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور جتنے قیدیوں کے رہنے کی جگہ ہے، اس سے کئی گنا زیادہ قیدی جیلوں میں بھر دیئے گئے ہیں۔ ان قیدیوں میں ۷۵ فی صدی سیاسی قیدی ہیں۔ اِتنا بھی ہوتا، تو بھی غنیمت تھا، ایک طرح سے سارا ملک جیل بنا دیا گیا ہے۔ ایک گاؤں کا کسان اگر کسی دوسرے گاؤں جانا چاہے تو اسے اپنی گرام سرکار کے "مکھیہ" سے جو کمیونسٹ پارٹی کا ممبر ہوتا ہے، اجازت لینی پڑیگی۔ اگر ریل گاڑی میں کسی کو سفر کرنا ہے، تو کم از کم ایک ہفتہ پہلے پولیس کے پاس درخواست بھیجنی ہوگی۔ اور اسے بتلانا ہوگا، کہ وہاں کس کام کے لئے جا رہا ہے، اور کس کے گھر ٹھہریگا۔ پولیس کی اجازت کے بغیر اُسے ریل کا ٹکٹ ملے گا ہی نہیں، سب سے زیادہ تکلیف دہ بات تو یہ ہے، کہ اگر رات کے دس بجے کے بعد کسی کی بیوی بھی آ جائے تو بھی وہ گرام سرکار کے مکھیہ کی اجازت کے بغیر اُسے اپنے گھر میں داخل نہیں کر سکتا۔

گھر کی کتاب

۱۷ مئی ۱۹۵۳ء کو فوشن کی کوئلہ کی کان دیکھنے گئے، شام کے ساڑھے ۶ بجے تک ہم لوگوں کی واپسی کا پروگرام تھا۔ لیکن اندھیا گمر کوئلے کی کان دیکھنے کی ہماری ضد نے پروگرام میں دو گھنٹے کی دیر کر دی

دُمشق کے بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں ہم لوگوں کے استقبال کے لئے
چھ بجے سے ہی سڑک کے کنارے قطار بنائے کھڑے تھے۔ دو گھنٹوں
کے انتظار کے بعد ہم لوگوں کی گاڑیاں گزریں۔ شاندار استقبال ہوا،
تقریباً دس پندرہ ہزار نادی ہوں گے۔ ہمارے ساتھیوں پر اس کا
بہت اثر ہوا۔ اتنا شاندار استقبال تو ہند میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوتا
ہوگا، میں کمیونسٹ پارٹی کے فوجی ڈسپلن کی تعریف دل ہی دل میں کر رہا
تھا، اس روز پیکنگ میں ایک سجن ملے، ان سے بات چیت ہوتے پر پتہ
چلا، کہ ہر ایک شہری کو ایک گھر کی کتاب" رکھنی پڑتی ہے۔ اس میں
گھر میں رہنے والے خاندان کی تعداد، ان کی عمر اور ان کی جان پہچان رہتی
ہے۔ ہفتہ یا پندرہ دنوں میں کوئی سرکاری افسر رات کے وقت آکر
جانچ پڑتال کر جاتا ہے۔ کہ اس کتاب میں جن لوگوں کے نام درج ہیں۔
وہ گھر میں ہیں یا نہیں، ۱۲ یا ۱۵ گھروں پر ایک مکھیا' ہوتا ہے، جس کی
یہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے ماتحت گھروں کے متعلق پوری واقفیت
رکھے، اور ان گھروں میں رہنے والوں سے سرکاری احکام منوائے۔ ہمارا
یہ شاندار استقبال اسی نظام کا نتیجہ ہے۔

اب میں سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا۔ میزبان نے بتایا۔ کہ پاس
کے باغ میں ہم لوگوں کے لئے کھانے پینے کا ہر طرح کا انتظام ہے۔
تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہم لوگ اپنے رہنے کی جگہ کے لئے
روانہ ہو جائیں گے۔ میں اپنی مترجمہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ میرے
ایک ساتھی بہادر جی بچوں کے بڑے پریمی ہیں۔ اس جگہ بھی انہوں نے
ایک بچہ ڈھونڈھ لیا ہے۔ کتنا تندرست اور خوبصورت بچہ ہے، کتنا

بھولا بھالا اس کا مکھڑا ہے۔ بہادر جی سیب کا ٹکڑا کاٹ کاٹ کر اُسے دے رہے ہیں۔ سیب کے رنگ جیسی ہی اُس کی شکل ہے۔ یہی نئے چین کے شہری ہیں۔

۱۲ مئی ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ ہم لوگ پیکنگ کے بچوں کا ہوسٹل دیکھنے گئے۔ بچوں کا یہ ہوسٹل پرانے راج محل میں ہے۔ اس میں صرف سرکاری محکموں میں کام کرنے والے افسروں کے بچے رکھے جاتے ہیں۔ انہیں ہر ماہ تقریباً ۴۰ روپے بھوجن وغیرہ کے خرچ کے لئے دینے پڑتے ہیں۔ جونہی ہم اس ہوسٹل میں پہنچے، بڑے دروازے پر ہوسٹل کی سنچالکہ اور دوسرے ادھیکاریوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اور اندر لے گئے۔ ہوسٹل کے گیٹ پر سبھی بچے ڈسپلن کے مطابق کھڑے ہیں۔ پھر بھی یہ بچے ہیں۔ بچوں کی عمر چار سال سے کم ہی ہوگی۔ وہ ہم لوگوں کو کچھ عجیب ڈھنگ سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے چین کے بچوں سے دوستی پیدا کرنے کے لئے چینی زبان کے کچھ الفاظ سیکھ لئے ہیں۔ ہم لوگوں نے بچوں کے نزدیک پہنچ کر چینی زبان میں نمسکار کیا۔ بچوں نے اس کا جواب دیا۔ اور ہم لوگوں سے لپٹ گئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ جیسے یہ بچے ہم لوگوں کے پہلے سے واقف ہیں۔ ایک بچے نے میری اُنگلی پکڑ لی۔ اور بچوں کا ہوسٹل دکھانے لے چلا۔ سب سے پہلے ہم سنچالکہ کے دفتر میں گئے۔ جہاں ہوسٹل کی رپورٹ سنائی گئی۔ اس کے بعد ہم لوگ رنگ شالہ دیکھنے گئے۔ اس میں بھی ہر جگہ کی طرح ماؤسے تنگ کی ایک تصویر لٹک رہی ہے۔ سنچالکہ کا اشارہ پاتے ہی بچے ایک چکر بنا کر کھڑے ہو گئے اور ناچنے لگے۔ بالکل فوجی قسم کا ناچ ہے۔ دوسرا ناچ گانے کے ساتھ شروع ہوا۔

اس گانے میں ماؤ سے تنگ کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔ یہ گیت ہم نے چین کے ہر حصہ میں سُنا۔ گانے اور ناچ کے خاتمہ کے بعد پھر بچے آکر ہم لوگوں کے ساتھ ہو لیے۔ اِن بچوں کے طور و اطوار سے کوئی بھی غیر ملکی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے بچوں کو ماؤ سے تنگ کی تصویر دکھاتے ہوئے پُوچھا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ ایک نے میرے سوال پر حیرانگی سے جواب دیا۔ "آپ انہیں نہیں جانتے ہیں۔ یہی تو ہمارے چیرمین ماؤ ہیں۔ یہی ہم لوگوں کو کھانا دیتے ہیں۔ پڑھاتے ہیں، کپڑا دیتے ہیں۔ اور ہماری حفاظت کرتے ہیں۔

بچّے یا جاسُوس

ہماری بات چیت مترجموں کی معرفت ہو رہی تھی۔ میں سوچتا ہوں کیا یہی تعلیم ہے؟ چھوٹے بچوں کے دماغ کو بچپن سے ہی اس ڈھانچہ میں ڈھال دینا، کیا اُن کے دماغ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دینا نہیں ہے؟ مجھے یاد آیا، پیکنگ میں ایک آدمی نے بتلایا تھا، کہ چین میں ماں باپ اپنے بچوں کے سامنے سرکار کے کاموں کے بارے میں نکتہ چینی کرنے کی ہمّت نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ بچے سرکاری جاسوس کا کام کرتے ہیں۔ اور گھر کی باتیں ہر روز اپنی اُستانی کو جا سُناتے ہیں۔ اُستانی برابر پولیس کو رپورٹ دیتی رہتی ہے۔ سرکار کے خلاف بولنے والے خاندانوں کی رپورٹ پاتے ہی پولیس انہیں گرفتار کر لیتی ہے۔ اور انہیں نہ جانے کہاں بھیج دیتی ہے۔ متذکرہ بالا سجن نے اس سلسلہ میں ایک مزیدار واقعہ سُنایا تھا۔ کہ کس طرح کمیونسٹ سرکار سونے چاندی کے ذخیروں کو روکنے کے لئے سبھی شہریوں سے سونا چاندی

چھین رہی تھی۔ ایک خاندان نے اپنے سونے کے زیورات کو بچانے کے لئے مکان کے ایک حصّہ میں گڑھا کھود کر لوہے کے ایک بکس میں بند کر گاڑھ دیا تھا۔ تاکہ سرکاری افسر تلاشی لینے پر بھی اُسے نہ پاسکیں، رات کے وقت میاں بیوی اِس سلسلہ میں بات چیت کر رہے تھے، بیوی نے اپنے خاوند کو اِس بات کا یقین دلایا۔ کہ پولیس افسر کو اِس کا علم ہی نہیں ہوگا۔ اُن کی چھوٹی بچی جس کی عمر سات آٹھ سال کے قریب ہوگی۔ بغل کی چارپائی پر سوئی ہوئی تھی۔ ماں باپ کی بات چیت کے دَوران اُس کی نیند کھل گئی۔ اُس نے بات چیت سُن لی۔ اَور دُوسرے روز اپنی اُستانی کو رات کی بات چیت کی رپورٹ دیدی۔ پولیس کو رپورٹ بھیجدی گئی۔ پولیس فوراً موقعہ پر پہنچی۔ گھر کو گھیر لیا گیا۔ اَور گڑھے میں چھپائے ہوئے زیورات کو کھود نکالا۔ اِس واقعہ کو سُننے کے بعد مجھے جارج۔ آرویل کا "۱۹۸۴ء" نامی ناول یاد آگیا۔ یہ بچے کتنے ماؤ بھگت ہیں۔ اِس کا ایک نظارہ مئی ڈِے کی پریڈ کے موقعہ پر دیکھنے کو ملا۔ تقریباً پانچ لاکھ نوجوانوں اَور بچوں نے اِس روز ماؤ سے تنگ کو سلامی دی تھی۔ ان کے دل میں کتنی خوشی تھی! ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ چین کا بچہ بچہ ماؤ سے تنگ کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ ماؤ سے تنگ کے ایک اِشارے پر یہ کیا کر دینگے، کچھ کہا نہیں جاسکتا اگر چین کا یہ نیا ھتا چاہے تو ملک کو بنا دے یا اُس کا ستیاناش کر دے۔ پریڈ ختم ہونے کے بعد جب مَیں اپنے ہوٹل کو واپس آ رہا تھا۔ تو مَیں نے اپنے ساتھیوں کو کہا۔ چین کو کوئی جیت نہیں سکتا۔ ایک ساتھی جس کے دماغ پر اِس پریڈ کا اثر موجود تھا۔ بول اٹھا۔ ہٹلر کے نوجوان بھی ہٹلر کے پیچھے اِس سے کہیں زیادہ دیوانے ہو گئے تھے۔ مَیں چپ ہو گیا۔ میرے پاس

اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ جہاں ایک شخص کے پیچھے لوگ پاگل ہو جائیں۔ وہاں پر جاتنتر پنپ ہی نہیں سکتا۔ میرے دماغ میں خیالات کا طوفان زور سے چلنے لگا۔ میرے میزبان سٹر ہی سنگھوان نے جو چین کے راشٹریہ کھیت مزدور سنگھ کے صدر ہیں۔ جب مجھے اپنے خیالات میں مست دیکھا، تو ان سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے میرے دونوں کندھوں کو پکڑ کر ہلا کر دیا۔ کتنا سادھو سبھاؤ کا یہ آدمی ہے۔ لمبا، چوڑا، چہرے سے بھولا پن ٹپکتا ہے۔ خود بھی بے زمین مزدور ہے۔ انگریزی نہ جاننے کے کارن وہ بیچارا ہم لوگوں سے بات چیت نہیں کر پاتا۔ پھر بھی اشارہ سے ہمیشہ اپنی بات ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ مترجموں کی وساطت سے بات چیت کرنے میں سارا مزہ جاتا رہتا ہے، تو بھی اشارے سے کچھ نہ کچھ بات چیت ہو ہی جاتی ہے۔ ہمارا یہ میزبان ہم لوگوں کو پکڑ کر ناچ بھی سکھاتا ہے۔ جب گاڑی چلتی ہے۔ تو وہ اکثر چلاتا ہے۔ "اندو" چین میں ہندوستانیوں کو لوگ "اندو" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ہمارا میزبان جب 'اندو' کہہ کر پکارتا ہے، تو اس کا مطلب ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اب ہم لوگوں کو ہندوستانی گانا سنانا پڑیگا۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ دیہات میں بے زمین مزدور کا الگ سنگٹھن بنانے کی مخالفت ہونے پر بھی بے زمین مزدوروں کا راشٹریہ مزدور سنگھ کیسے بن گیا ہے۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ جن کا سلجھانا آسان نہیں۔

وردی! وردی!!

ہماری گاڑی پوری تیز رفتار سے چلی جا رہی ہے۔ میرے دماغ کے سامنے سیاسی نقشہ تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔ سامنے سڑک پر

وردی پہنے ہوئے سپاہیوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ایسے ملک میں آئے ہوئے ہیں، جہاں حملہ ہوا ہے۔ سڑکوں کے کنارے تھوڑی تھوڑی دوری پر بڑے بڑے مکان وردی پہنے ہوئے سپاہیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ پیکنگ میں یہ بھی معلوم ہوا تھا۔ کہ سادہ لباس میں رہنے والے خفیہ سپاہیوں کی تعداد اَن گنت ہے۔ سوچ رہا ہوں، کہ اتنے سپاہی رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر اقتصادی حالت میں کچھ بہتری کر کے فوجی طاقت کے بل بوتے پر سیاسی آزادی چھین لی گئی، تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ بھارت کے جیلوں کی زندگی بھی تو ایسی ہی ہے۔ وہاں آرام کی سب سہولیات میسّر رہتی ہیں۔ کوئی آدمی بیکار نہیں رہتا ہے۔ کھانے پینے کی ذرا بھی چِنتا نہیں ہوتی ہے۔ صرف سیاسی آزادی نہیں رہتی ہے۔ تو کیا سارا چین ایک جیل بنا دیا گیا ہے۔

سورگیہ من بیت سین کی سمادھی پر جو واقعہ ہوا، اس سے طبیعت دُکھی ہے۔ اسی کارن ہمارے ڈیلی گیشن کے کچھ ساتھیوں نے رات کے ناچ گانے کے پروگرام میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

(۴)

محنت کشوں کا یہ بہشت

درانتی ہتھوڑا

کینٹن - ۳۰ مئی ۱۹۵۳ء - ہم لوگ کینٹن کے سب سے بڑے ہوٹل کی آٹھویں منزل پر ٹھہرے ہوئے ہیں - اس ہوٹل کا نام "جن پریم" ہے - یہ ہوٹل ۱۳ منزلہ ہے - بغل میں کینٹن ندی بہہ رہی ہے - کھڑکی سے دریا میں آنے جانے والی کشتیاں اور سٹیمر دکھائی دے رہے ہیں - دریا کے اس پار سامنے والے مکان کے اوپر درانتی اور ہتھوڑے والا جھنڈا دکھائی دے رہا ہے - چین میں درانتی ہتھوڑے والا جھنڈا بہت کم دکھائی دیتا ہے - پانچ تاروں والا جھنڈا ہی ہر جگہ دکھائی دیتا ہے - صبح کینٹن کمیون دیکھنے گیا تھا - ۱۹۲۷ء میں کینٹن کمیون کی زیر رہنمائی جو بغاوت ہوئی تھی - اور اُسے جس طرح سے دبا دیا گیا تھا - اُس کی تاریخ اس کمیون کے ایک کمرہ میں تصویروں کے ذریعہ دکھائی گئی ہے - کس طرح کمیونتانگ نے کمیونسٹ کارکنوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا - کس طرح سے عام جنتا لوٹی گئی -

کس طرح کینٹن کی سڑکیں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ اِس کی باتصویر تاریخ اس بھون میں موجود ہے۔ ہمارے ایک ساتھی کے دماغ میں یہ بات گھس نہیں رہی ہے۔ کہ اس وقت کے مظالم کی تصویریں ان لوگوں کو کیسے ملیں۔ ہند میں بھی تو انگریزوں نے بھی مظالم کئے تھے۔ لیکن اُس کی کوئی تصویر ہمیں مل نہیں سکی۔ اُنہوں نے کیوں کے سنچالک سے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔ کہ یہ تصاویر انہیں کہاں سے ملیں؟ اُنہوں نے فوراً جواب دیا۔ کہ جب کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور آئی، تو سرکاری دفتروں کے کاغذات میں سے یہ تصاویر ملیں۔ جواب بڑھیا تھا۔ شاید ہم لوگ بھی کوشش کریں۔ تو انگریزوں کے مظالم کے فوٹو دہلی سیکریٹریٹ کے کاغذوں میں مل سکتے ہیں۔

شنگھائی کے مزدور کلچرل بھون میں تصویروں کے ذریعہ چین کے مزدوروں کی لڑائی دکھائی گئی ہے۔ کیتنا سندر نظارہ ہے! کاش، ہماری بھی سرکار ہندوستانی جنگِ آزادی کا اتہاس تصویروں میں تیار کرواتی! ہند میں آزادی کی جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ وہ سبھی ترنگے جھنڈے کے نیچے ہوئی ہیں لیکن چین کے اِس باتصویر اتہاس میں کہیں بھی کسی لڑائی، مظاہرہ، جلوس یا جلسہ میں یہ کمیونسٹ پارٹی کا جھنڈا دکھائی نہیں دیتا۔ سبھی تصویروں میں کمیونتانگ کے جھنڈے نظر آتے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے یہ بھی ایک پہیلی ہے۔ اور اس کو سلجھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

تحفوں میں بھی فرق؟

ابھی ہمارے کمرے میں ایک مترجمہ کینٹن ٹریڈ یونین کونسل کی طرف سے تحفے لیکر آئی ہے۔ جہاں جہاں ہم لوگ گئے۔ سبھی جگہ ٹریڈ یونین کونسل

کی طرف سے ہم لوگوں کو کافی سامان بھینٹ کیا گیا۔ مترجمہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔ ریشمی پتلون اور قمیص پہنے ہوئے ہے۔ گلے میں سونے کا ایک ہار ہے۔ جس میں قیمتی پتھر جڑا ہوا ہے۔ اِس لباس میں اُس کی خوبصورتی نکھر رہی ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی اِس بات کی شکایت کرتے آئے ہیں۔ کہ نیلا لباس لازمی قرار دیکر سرکار نے خوبصورتی کا خون کیا ہے۔ اُن کے اس الزام کی سچائی کچھ صحیح معلوم ہو رہی ہے۔ اسی لڑکی کو پہلی بار نیلی پوشاک میں دیکھا تھا۔ اُس میں اور اِس میں کتنا فرق ہے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ہمارے کمرے میں دادا گھس آئے۔ آتے ہی انہوں نے پوچھا، کہ تمہیں کیا کیا ملا ہے؟ میں نے انہیں بتلا دیا۔ اور سامان ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "ڈیلی گیشنوں کے نیتاؤں کو کیا کیا سامان بھینٹ ہوا، اس کا تمہیں کچھ علم ہے؟" میں نے جواب دیا، مجھے اُس کا کچھ علم نہیں۔ اُنہوں نے بتایا۔ "ڈیلی گیشن کے ہر ایک نیتا کو ہم لوگوں سے کہیں زیادہ سامان ملا ہے۔ ہر جگہ نیتا اور عام ممبروں میں فرق رکھا گیا ہے۔ نیتاؤں کے لئے سپیشل کار، ہوٹل کے کمرے اور دوسری سہولیات میسر ہیں۔ یہ نابرابری کیوں رکھی گئی ہے۔ اِس کا جواب تو چین کے نیتا دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے ڈیلی گیشن کے نیتا شوناتھ بینرجی اِس طرح کے تحفوں کو قطعی طور پر پسند نہیں کر رہے ہیں۔ کئی بار اُنہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ دادا نے ہنستے ہنستے کہا۔ "دیکھو کمیونسٹ سرکار میں بھی فرق موجود رہے گا۔ نیتا ایک خاص طبقہ کا ہوگا۔ اور سادھارن انسان دوسرے طبقہ کے۔" یہ سُن بے چاری مترجمہ کے چہرے پر لالی دوڑ گئی ——— یہ بے چاری کیا جواب دیتی۔

بیچارے رکشا والے

چین میں سبھی برابر ہیں، یہ بات تو سبھی جگہ سنائی گئی۔ لیکن آنکھیں کچھ اور ہی دیکھ رہی ہیں۔ ہوٹل کی کھڑکی سے رکشا چلانے والوں کی قطاریں نظر آ رہی ہیں۔ سائیکل رکشا اور ہاتھ سے چلنے والی رکشا دونوں موجود ہیں۔ رکشا چلانے والوں میں سے زیادہ تر پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں پیوندوں کی بھرمار ہے۔ ہم لوگوں کو بتایا گیا۔ کہ چین میں رکشا بہت سستے ہیں۔ پیکنگ کے لئے تو پرانے زمانہ میں یہ کہاوت مشہور تھی۔ کہ وہاں پر رکشا اور رنڈیوں کی تعداد ان گنت ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں وہاں پر بہت سستی ہیں۔ دو میل کا کرایہ تقریباً چار آنے ہوتا ہے۔ رکشا کی بہت زیادہ تعداد ہونے کے کارن یہ رکشا والے دن بھر کی محنت کے بعد کتنا کما لیتے ہوں گے۔ اس کا جواب ان کے کپڑے دے رہے ہیں۔ ایک طرف رکشا والوں کی پوشاک اور دوسری طرف ہمارے سامنے بیٹھی ہوئی مترجمہ کی۔

یہاں پر عام لوگوں کو اونی کپڑے اور چمڑے کے جوتے میسر نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کی قیمت اتنی زیادہ ہے۔ کہ انہیں کوئی سادھارن آدمی نہیں خرید سکتا۔ کنٹن جیسے ٹھنڈے علاقہ میں کبھی میں نے عام آدمیوں کو روئی دار کرتہ پہنے دیکھا ہے۔ لیکن کوئی بھی سرکاری آدمی ایسا نہیں ملا۔ جس نے بڑھیا اونی کپڑے اور چمڑے کے جوتے نہ پہنے ہوئے ہوں۔ عام لوگ کینوس کے جوتے پہنتے ہیں۔ یہ برابری تو صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔ سرکاری افسر تو موٹر گاڑی پر چلتے ہیں۔ لیکن پیکنگ میں جس طرح کی

بسیں اور ٹرام گاڑیاں ہم نے دیکھیں۔ اس کے متعلق تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ بسیں اور ٹرام کتنی خراب ہیں! ان میں مسافروں کی زیادہ تعداد ہونے کی وجہ سے مسافر ایک دوسرے پر چڑھے رہتے ہیں۔ ۱۰ مئی کو جب چین سرکار کی طرف سے ہم لوگوں کو پریتی بھوجن دیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر وہاں کے پردھان منتری شری چاؤ۔ ان لائی آرمرڈ کار میں آئے تھے۔ یہ بھی ایک پہیلی ہے۔ ہندوستانی ڈیلی گیشن نے چیرمین ماؤ سے تنگ کے پاس ایک خط بھیجا تھا۔ اور اُن سے درخواست کی تھی۔ وہ آل چائنا فیڈریشن آف لیبر کے جلسہ میں صرف دس منٹ کے لئے آئیں۔ لیکن اس درخواست کو اُنہوں نے منظور نہیں کیا۔ 'نجات' کے بعد چینی مزدوروں کا یہ پہلا جلسہ تھا۔ سبھی ڈیلی گیشنوں کے لوگ ماؤ سے ملنے کے خواہش مند تھے۔ لیکن اُنہیں نراش ہونا پڑا۔ یہ سبھی باتیں کیا بتلاتی ہیں؟ کیا چین میں ایک نئے طبقہ کو جنم نہیں دیا جا رہا ہے؟ کیا مزدوروں کی حکومت کے نام پر خود مزدور نیتاؤں کے لئے نئی دنیا نہیں بسائی جا رہی ہے؟ یہ سوال دل میں اُٹھ رہے ہیں۔ ان کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔

سامنے دریا میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور سٹیمر آ جا رہے ہیں۔ جونہی سٹیمر سے مسافر اُترتے ہیں۔ رکشا والوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ چین کے لوگ محنتی ہوتے ہیں۔ سارا سامان خود ہی پیٹھ پر لاد لیتے ہیں۔ رکشا پر وہی لوگ بیٹھتے ہیں۔ جو اپنے سامان کو خود اٹھانے کے ناقابل ہیں یا جنہیں بہت دور جانا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں جس طرح مسافروں کو رکشا والے گھیر لیتے ہیں۔ یہاں بھی وہی حال ہے۔ میں نے اپنی مترجمہ سے پُوچھا۔ کہ جس روز رکشا والا کام نہیں کر پاتا ہوگا۔ اُس روز وہ کہاں سے

کھاتا ہوگا - اس کا جواب نہیں مل سکا - چین میں جتنی رکشائیں ہیں، شاید دُنیا کے کسی دوسرے ملک میں اتنی رکشائیں نہیں ہونگی - ہمارے نیتا ڈاکٹر رام منوہر لوہیا رکشا کی سواری کے سخت مخالف ہیں - اُن کا کہنا ہے، کہ یہ سواری انسانی لوٹ کھسوٹ کو آخری حد تک لے جاتی ہے۔ اس میں انسان کو حیوان بنا دیا جاتا ہے - اُن کے کہنے کے مطابق جس دیش میں جتنے زیادہ رکشا چلانے والے ہوں، وہاں غریبی بھی اُتنی ہی زیادہ ہے - اور لوٹ کھسوٹ بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

مکئی اور شکر قندی

اس روز ہم لوگ چین کا سب سے بڑا ریلوے ورکشاپ دیکھنے گئے - ریلوے مزدوروں کے سرکاری مکان دیکھ رہے تھے - کتنے چھوٹے چھوٹے مکان تھے وہ! ایک خاندان کے رہنے کے لئے ایک چھوٹا کمرہ جس کی لمبائی چوڑائی ۱۲ × ۱۰ فٹ ہوگی - اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا - جو رسوئی کے طور پر استعمال ہوتا تھا - دادا نے دیکھتے ہی ہنسکر مجھ سے پُوچھا ——— "شاستری بہار سنٹرل لیبر اینڈ وائزری بورڈ کی بیٹھک میں تم نے ہند سرکار کی اس سکیم کی مخالفت کی تھی - جو ایک کمرہ والے مکان بنانے کے متعلق تیار کی گئی تھی - اب تمہاری کیا رائے ہے؟ مزدوروں کی حکومت میں مزدوروں کے رہنے کے لئے سرکاری مکانوں کو دیکھ لیا ہے - تم نے؟" میں کیا جواب دیتا - ہم لوگوں کو بچوں نے گھیر رکھا تھا - کچھ بچے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور کچھ پیوند لگے ہوئے - ایک بچہ مکئی کی روٹی کھا رہا تھا، اور دوسرا شکر قندی

کی۔ ریلوے میں کام کرنے والے مزدوروں کے بچوں کو اچھا کھانا ملنا چاہیئے۔ لیکن یہاں کچھ اور ہی دیکھ رہا ہوں۔ اس سے تو ہمارے جیسا آدمی اسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ مزدوروں کو اتنی کم مزدوری ملتی ہے، کہ وہ اپنے بچوں کی صحت کو بہتر بنانے والے بھوجن اور اچھے کپڑے مہیا نہیں کر سکتے۔

اُجرتوں کا طریقہ

کل رات ہم لوگوں کے یہاں کی اُجرتوں کے طریقہ کو سمجھنے کے لئے اُجرتوں کے ایکسپرٹ کو بلوایا۔ اُس نے جو کچھ بھی بتایا۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ یہاں کے مزدوروں کا رہن سہن اور اجرتیں ہمارے دیش کے مزدوروں سے کہیں کم ہیں۔ یہاں کا اُجرتوں کا طریقہ "اجرت پوائنٹ" پر منحصر ہے۔ ایک اُجرت پوائنٹ میں ۰.۸ کیٹی چاول، ۰.۲ کیٹی نمک ۰.۰۵ کیٹی تیل، ۲ کیٹی کوئلہ یا ۲½ کیٹی لکڑی اور ۳ چھتی ۱ انچ کپڑا ہوتا ہے۔ (ایک کیٹی تقریباً ۸ چھٹانک کے برابر ہوتی ہے) ابھی تک یہ طریقہ صنعتی مزدوروں کے لئے لاگو ہے۔ ایک اُجرت پوائنٹ کی قیمت ۲۲۰۰ سے ۲۵۰۰ چینی سکہ کے برابر ہوتی ہے۔ ہانگ کانگ میں یہ پوائنٹ ۲۲۰۰ کے برابر ہوگا۔ تو پیکنگ یا شنگھائی میں ۲۵۰۰ ہوگا۔ چینی اُجرتوں کے ایکسپرٹ کی رائے ہے۔ کہ ایک مزدور کو زندگی گذارنے کے لئے مہینہ میں ۵۰۔ اُجرت پوائنٹ کافی ہیں۔ میں اپنے دیش کی بات سوچ رہا ہوں، بھارت میں ایک خاندان کو ۲ء۳۔ افراد پر مشتمل مانا جاتا ہے لیکن چین میں ایک خاندان میں صرف دو افراد تسلیم کئے جاتے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں کے اُجرت پوائنٹ میں ہمارے دیش میں جو چیزیں لی جاتی ہیں۔ وہ کیوں شامل نہیں کی گئیں۔ آخر تعلیم۔ دوا دارو، شادی بیاہ، جنم مرن وغیرہ باتیں بھی تو ہوتی ہیں۔ انسان کو سیر و تفریح کے لئے بھی کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ چین کے صنعتی مزدوروں کا رہن سہن ہندوستانی مزدوروں کے مقابلہ میں گھٹیا ہونے کا ایک بڑا کارن اُن کی اُجرت بھی ہے۔ یہاں کے مزدور بھوجن میں صرف چاول، تازہ سبزی کا شوربہ اور ایک سبزی ہوتی ہے۔ دُکانوں میں، ہوٹلوں میں، کینٹن میں، گھروں میں سب جگہ ہم نے لوگوں کو یہی بھوجن کھاتے دیکھا۔ کم اُجرت کی وجہ سے اس سے زیادہ بھوجن کھانے کی گنجائش بھی کہاں ہو سکتی ہے۔ پوچھنے پر پتہ چلا، کہ اِس سادہ بھوجن پر ہر آدمی کو فی کس فی ماہ ایک لاکھ سے ایک لاکھ پچیس ہزار چینی سکّے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ یہ خرچ تقریباً ۵۰ - اُجرت پوائنٹوں کے برابر ہوتا ہے۔

چیزیں بڑی مہنگی ہیں۔ چمڑے کی چیزوں کی قیمت ہمارے دیش کی قیمتوں سے دو گنی ہیں۔ مَیں نے ایک چشمہ خریدا۔ اس کی قیمت کے طور پر دو لاکھ ۲۳ ہزار چینی سکّے دینے پڑے۔ صابن کی ایک معمولی سی ٹکیہ کی قیمت تقریباً دو روپے ہے۔ یہی حالت دوسری چیزوں کی ہے۔ صرف چاول کی قیمت ایسی نہیں ہے۔ ہم ایک گاؤں کے کواپریٹو بھنڈار سے چاول کی قیمت کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہاں ہمیں بتلایا گیا۔ کہ بڑھیا قسم کے ایک کیٹی چاول کی قیمت ۲۰۴۰، معمولی قسم کے چاول کی قیمت

۱۱۰۰ اور ایک کیٹی گندم کی قیمت ۱۲۰۰ چینی سکے ہے۔ ایک معمولی قمیض کی قیمت ۲۷ ہزار ہے۔ ریشمی کپڑوں کی قیمت بھی زیادہ ہے۔ میں نے ہانگ چاؤ میں قمیض کے لئے جو ریشمی کپڑا خریدا وہ تقریباً ۳۴ ہزار ین فی گز اور سپیشل قسم کا ریشمی کپڑا تقریباً ۵۷ ہزار ین فی گز کے حساب سے ملا۔ ۴۷۰۰ ین ایک روپیہ کے برابر ہوتے ہیں۔ یعنی ایک پیسہ تقریباً ۷۳ ین کے برابر ہے۔ یہی کپڑے ہند میں سستے ملتے ہیں۔ جبکہ وہاں تقریباً سو فیصدی ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ ایک روز ہم لوگوں نے ویسلین کا ایک ڈبہ خریدا۔ اس میں ایک چوتھائی پونڈ ویسلین ہوگی۔ اس کی قیمت ۲۶ ہزار ین دینی پڑی۔ سر میں لگانے والا تیل جو تین اونس کی شیشی میں تھا۔ اس کی قیمت ۱۶ ہزار ین دینا پڑی۔ ہند میں اس تیل کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی

مزدوروں کی اُجرتیں صرف مختلف صنعتوں میں مختلف نہیں، بلکہ مختلف کارخانوں میں بھی مختلف ہیں۔ ایک مزدور اور ایک مینیجر کی تنخواہ میں بھی بہت فرق ہے۔ ہم لوگ ۲۵ مئی ۱۹۵۳ء کو شنگھائی سے کچھ دور ایک سیمنٹ فیکٹری دیکھنے گئے۔ یہ فیکٹری ایک مل مالک کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس کے پاس پانچ اور فیکٹریاں بھی ہیں۔ اس کا بڑا لڑکا فیکٹری کا مینیجر ہے۔ اس فیکٹری کے مالک کو منافع تو ملتا ہی ہے۔ ساتھ اس کے لڑکے کو مینیجر کے طور پر تقریباً ۶۶ لاکھ ین یعنی ۲۷۵۰ اُجرت پوائنٹ تنخواہ ملتی ہے۔ اس مینیجر کا نام تُنگ کنگ چانگ ہے۔ اس طرح چین میں اجرتوں میں بھی بہت بڑی نابرابری ہے۔ بے زمین مزدوروں کے لئے کوئی اجرت مقرر ہی نہیں کی گئی۔ مزدوروں کے راجیہ میں اتنی نابرابری حیران کن ہے۔

ایک ہی رائے!

۲ مئی ۱۹۵۳ء کو پیکنگ میں آل چائنا کانگرس آف ٹریڈ یونین کے ساتویں جلسہ میں ہم لوگوں نے رفیق ڈیلی گیٹوں کے طور پر حصہ لیا تھا۔ جہاں جلسہ ہو رہا تھا۔ وہ جگہ ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ تقریباً ۸۰۰ ڈیلی گیٹ اور ۸۰ غیر ملکی رفیق ڈیلی گیٹ اس میں شریک ہوئے تھے۔ اس سمیلن میں چینی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری شری لوئی ساچی اور آل چائنا فیڈریشن آف لیبر کے سابق سیکرٹری جنرل اور موجودہ صدر لائی جو یو کی تقریریں ہوئیں۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ کہ ہم لوگ کمیونسٹ پارٹی کے جلسہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یا مزدوروں کے جلسہ میں۔ جتنے لیکچرار آئے۔ سبھی نے ایک آواز میں کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی کو تسلیم کیا۔ اور اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سبھی ڈیلی گیٹوں کی ایک ہی رائے تھی۔ اس طرح کے جلسوں کا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ "نجات" کے بعد یہ پہلی سمیلن تھا۔ اس سے پہلے ۱۹۴۸ء میں ہاربن میں اس کا چھٹا سالانہ جلسہ ہوا تھا۔ شری لوئی ساچی نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا تھا۔ کہ چین کی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ محنت کرنے کی طاقت کو بڑھاؤ۔ مال کی کوالٹی سدھار کر کم خرچ کر کے پانچسالہ پلان کو مقررہ وقت سے پہلے ہی پورا کر ڈالیں یہی کام تبھی پورا ہو سکتا ہے۔ جب مزدور کارکن مزدوروں میں کمیونزم کی تعلیم کو پھیلائیں۔ آخر میں انہوں نے اس بات میں وشواس ظاہر کیا۔ کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی اور کامریڈ ماؤ سے تنگ کی شاندار رہنمائی

میں چین کا مزدور طبقہ فتح کی طرف قدم بڑھاتا جائے گا۔ چین میں میں نے کئی دفعہ چین کی پانچسالہ پلان کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی بھی اطلاع یا کتاب ایسی نہیں ملی۔ جس سے چین کی پانچسالہ پلان کے پروگرام کی اطلاع مل سکے۔

آل چائنا کانگریس آف لیبر کے سیکرٹری جنرل نے چین کی تعمیر میں مزدور سنگٹھن کے بنیادی کام کے متعلق بولتے ہوئے شان سے اعلان کیا۔ "مزدور سنگٹھن اور مزدور اندولن اس پروگرام کو تبھی پورا کر سکتا ہے جب وہ کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں کام کریگا۔ اس لئے مزدور سنگٹھنوں کو عام جنتا سے نزدیکی تعلق قائم کرنا چاہیئے۔ مزدوروں کو کمیونسٹ پارٹی کی لیڈرشپ کے تحت لانا چاہیئے۔ اس طرح مزدور سنگٹھن کو کمیونسٹ پارٹی اور عام جنتا کو ملانے کا کام کرنا چاہیئے۔" انہوں نے "کام بڑھانے والے مزدور سنگٹھنوں کے بنیادی کام" کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ یہ کام لیبر مقابلہ کے جذبہ کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے آگے بتلایا۔ کہ "پچھلے کچھ سالوں میں یونین کارکنوں کے سکول سے ایک لاکھ گیارہ ہزار کارکنوں نے تعلیم حاصل کی۔ ان میں سے ایک لاکھ سات ہزار کارکنوں کی کمیونسٹ پارٹی کی ممبرشپ کے لئے مزدور سنگٹھنوں نے سفارش کی ہے۔" آخر میں انہوں نے کامریڈ ماؤ سے تنگ اور کامریڈ سٹالن کے کچھ الفاظ کا حوالہ دیکر اپنے بھاشن کو گونج رہی تالیوں کے درمیان ختم کیا۔

مزدور سنگٹھنوں کی آزادی؟

متذکرہ بالا دو تقریروں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ چین کے مزدور

اور مزدور سنگھٹن کتنے آزاد ہیں - آل چائنا فیڈریشن آف لیبر، جو ساتویں کانگریس کے بعد آل چائنا فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کے نام سے کام کر رہی ہے۔ کمیونسٹ سرکار کا محض ایک لیبر فرنٹ ہے چین میں جو ٹریڈ یونین قانون ہے۔ اس کی دھارا ۳۔ اور ۴ میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے۔ کہ جو مزدور سنگھٹن آل چائنا فیڈریشن آف لیبر کے آئین کے مطابق منظم نہیں کیا جائے گا۔ اس کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس قانون کی دھارا ۹ میں ان کے کام تعین کر دیئے گئے ہیں۔ سب سے اہم کام مزدوروں کو اس طرح سے تعلیم دینا اور منظم کرنا ہے، جس سے سرکاری قانونوں اور احکام کا پالن ہو سکے۔ چین سرکار کے لیبر فرنٹ کا سارا کام آل چائنا فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے۔ اس کے عوض میں دھارا ۱۰ کے مطابق اس فیڈریشن کو سبھی طرح کی سرکاری سہولیات حاصل ہیں ہر ماہ ہر ایک فیکٹری اس کو مزدوروں کی مزدوری کا دو فیصدی دیتی ہے۔ اس رقم سے ۷۰ فی صدی مزدور بیمہ اور ۳۰ فی صدی سنگھٹن کے کام پر خرچ ہوتا ہے۔ مزدور بیمہ میں مزدوروں کو بیماری میں دوا۔ بیماری کی چھٹی کی تنخواہ، بڑھاپے کی پنشن۔ حاملہ عورتوں کی مدد، مر جانے والے محنت کشوں کے خاندانوں کی مدد اور حادثات سے بیکار ہونے والے مزدوروں کی مدد وغیرہ مدیں ہیں۔ چین کے مزدور سنگھٹن کا سب سے پہلا کام سرکاری قانونوں اور احکام کا پالن کرنا اور مزدوروں کی تنخواہ کم رکھکر اور مزدوروں سے زیادہ کام لیکر پیداوار اور منافع کو بڑھانا ہے۔ کسی بھی حالت میں مزدور ہڑتال

نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر کسی فیکٹری سے مزدور نکال دیا جاتا ہے۔ تو اس کے خلاف ایک ہفتہ کے اندر صرف احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ کام کے بوجھ کو گھٹانے اور تنخواہ میں اضافہ کرنے والے مزدور دیش کے غدار سمجھے جاتے ہیں۔

مزدوروں میں بھی طبقاتی فرق!

ہم لوگوں کا سارا پروگرام سرکار نے طے کیا ہے۔ ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ویسی ہی فیکٹری دکھائی جاتی ہے، جو سب سے اچھی ہو۔ پھر بھی وہاں کیا دیکھتے ہیں، ہمارے ملک میں کسی بھی مزدور سے آٹھ گھنٹوں سے زیادہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ درمیان میں آدھ گھنٹہ کی چھٹی بھی ہوتی ہے۔ کام کا بوجھ بھی ایسا رہتا ہے۔ جس سے مزدوروں کو زیادہ تھکاوٹ نہ ہو۔ لیکن چین میں تو مزدوروں سے بارہ بارہ گھنٹے تک کام لیا جاتا ہے۔ درمیان میں کام بند نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی مزدور کسی ضروری کام کے لئے باہر جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھی کو اس کا کام کرنا پڑتا ہے۔ اور چھٹیاں؟ عام مزدوروں کو سال میں صرف چار چھٹیاں ملتی ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائے۔ تو اُسے مزدوروں کے بیمہ کی سہولیات مل سکتی ہیں۔ ورنہ اُسے سال بھر کام میں لگا رہنا پڑتا ہے۔ کام کا بوجھ اتنا زیادہ رہتا ہے۔ کہ مزدور ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنے کام سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ فیکٹری کے اندر وہ انسان نہ رہ کر مشین کا ایک پرزہ بن جاتا ہے۔ فیکٹری مزدوروں میں تین طبقے ہیں۔ (۱) عام مزدور۔ (۲) آدرش مزدور (ماڈل ورکرز)

اَور (۳) مزدور نیتا (ورکر ہیرو) - آدرش مزدور وہ لوگ ہیں، جو پیداوار بڑھانے کے کام میں سب سے پہلے آتے ہیں یا پھر پیداوار بڑھانے کا کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ نکال لیتے ہیں - مزدور نیتا وہ لوگ ہیں، جو کمیونسٹ پارٹی کے خاص آدمی ہیں - اَور کمیونسٹ پارٹی کی ہدایتوں کو عمل میں پورا کرواتے ہیں - ان دونوں طبقوں کے مزدوروں کو اچھی تنخواہ، صحت گھر - سال میں کچھ دنوں کی چھٹی، اَور دوسری سہولیات میسّر ہیں - اکثر فیکٹریوں میں یا کلچرل بھون ہیں - یہ بھون کمیونسٹ پارٹی کے پرچار کا ایک طریقہ ہیں اَور یہاں ہی مزدوروں کے دماغ کی صفائی کی کوشش ہوتی رہتی ہے - ہم لوگوں نے جتنی صنعتی فیکٹریاں دیکھیں، سب کی مشینری پرانی ہے -

اب شام ہو رہی ہے - کینٹن ندی اپنی دھیمی رفتار سے چل رہی ہے - اس کی چھاتی پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور بڑے بڑے سٹیمر چہل قدمی کر رہے ہیں - سارا شہر بجلی کی روشنی سے جگمگ کر رہا ہے - میں سوچ رہا ہوں - کیا یہی سوشلسٹ حکومت ہے؟ کیا مزدور حکومت کا مطلب یہی ہوتا ہے؟ کاش! سبھی لوگ لال چین کی اصلیت کو جان پاتے۔

(۵)

نئے چین کا نیا گاؤں

مکڈن، ۱۰ مئی ۱۹۵۳ء،

ہم لوگ مکڈن کی میونسپل سرکار کے مہمان خانے کی پانچویں منزل پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آج صبح یہاں سے کافی دور کاؤکن گاؤں دیکھنے گئے۔ اس گاؤں میں کھیتی کواپریٹو ڈھنگ سے ہوتی ہے۔ یہی ایک گاؤں ہے، جہاں باہر سے آنے والے لوگوں کو کواپریٹو کھیتی دکھلائی جاتی ہے چین میں سڑکوں کی بہت کمی ہے۔ ایک پکّی سڑک مکڈن سے فوشن جاتی ہے۔ جہاں کوئلہ کی کان اور تیل کا کارخانہ ہے۔ اس سے یہاں ایک کچّی سڑک آتی ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم لوگ پیکنگ کے ارد گرد تین گاؤں دیکھنے گئے تھے۔ ان گاؤں میں زمین کسانوں کی ملکیت تھی۔ جہاں بھی دوسری جگہوں کی طرح کواپریٹو کھیتی کے سنچالک نے اپنی لکھی ہوئی رپورٹ سنائی۔ رپورٹ میں "نجات" سے پہلے زمینداروں کی تعداد اور ان کی ملکیتی زمین، کسانوں کی تعداد اور ان کی زمین اور "نجات" کے بعد کی ساری اصلاحات کی تاریخ سنائی گئی۔ یہاں بھی بتایا گیا کہ نجات

کے بعد زمینداروں سے ۱۵۲۲۵ ماؤ زمین چھین کر کسانوں میں بانٹ دی گئی ہے۔ (چھ ماؤ زمین ایک ایکڑ کے برابر ہوتی ہے) اس بٹوارے میں اس گاؤں کے ہر ایک شخص کو ۲۰۷ ماؤ زمین ملی ہے۔ گھر اور کسانی اوزاروں کو بھی ضبط کیا گیا تھا۔ اور کسانوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ اب کل ۱۰۱ کسانی خاندانوں میں ۴ دھنی کسان اور ۷۶ درمیانہ درجہ کے کسان خاندان ہیں۔ ۱۹۴۹ء کو ۱۰۰ مان کر۔ اناج کی پیداوار میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اُس کا فی صدی بتلایا گیا۔ یہ بھی بتلایا گیا، کہ پیداوار کا ایک حصہ لگان، بیج۔ کسانی مشینری اور کھاد وغیرہ کے لیے رکھ کر ۲۰ فی صدی زمین کی ملکیت کے حساب سے اور ۸۰ فی صدی کام کے گھنٹوں کے حساب کسانوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اس گاؤں میں کمیونسٹ ملکوں کی طرف سے پیش کردہ ٹریکٹر اور دوسری مشینری بھی دکھلائی گئی۔ یہاں بچوں کا ایک ہوسٹل بھی ہے۔ جس میں کسانوں کے بچے رکھے جاتے ہیں۔ اُن کی پوشاک سے یہ پتہ چلتا تھا، کہ سبھی بچوں کو نئی پوشاک آج ہی پہنائی گئی تھی۔

۲۳، اپریل ۱۹۵۳ء کو میں نے لال چین کی زمین پر قدم رکھا تھا۔ سب سے پہلے ریلوے سٹیشن سون چین ہے۔ یہاں سرکاری مہمانوں کے ٹھہرنے کے لئے ایک آرام گھر ہے۔ اِس میں سرکاری افسروں اور سرکاری مہمانوں کے علاوہ اور کسی کو بھی ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں اس کمرہ کے اندر بیٹھے رہنے کی بجائے باہر ٹہلنا اچھا سمجھ رہا تھا۔ مسافر سٹیشن پر آرہے تھے۔ اور لائن میں بٹھائے جارہے تھے۔ کچھ بچے چھوٹی چھوٹی کتابیں اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ یہ کتابیں ہر سٹیشن پر ملتی ہیں۔ اور ان میں

چین کی تعریف کی گئی ہے۔ اور امریکہ کو گالیاں دی گئی ہیں۔ ہندوستانی لباس پہنے رہنے کے کارن لوگوں کی آنکھیں برابر میری طرف لگی ہوئی تھیں ان مسافروں میں ایک بڑھیا اور اس کی ایک لڑکی بھی تھی۔ لڑکی کی عمر تقریباً سولہ سترہ سال ہو گی۔ وہ ہانگ کانگ میں پڑھ رہی تھی۔ چھٹیوں میں اپنے رشتہ داروں کو ملنے پیکنگ جا رہی تھی۔ اغلباً لال چین کی اس کی یہ پہلی یاترا تھی۔ جب اسے معلوم ہوا، کہ میں پیکنگ جا رہا ہوں، تب اس نے مجھ سے پیکنگ میں ہمارے ٹھہرنے کی جگہ دریافت کی۔ لیکن میں اسے کیا جواب دیتا؟ اس کی ماں انگریزی نہیں جانتی تھی۔ لیکن ہم لوگوں کی باتیں دھیان سے سن رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی لڑکی چینی زبان میں ہم لوگوں کی بات چیت کا نچوڑ اسے بتا دیتی تھی۔ آخر میں میں نے اس لڑکی سے پوچھا کہ تم چین اور ہانگ کانگ میں کسے پسند کرتی ہو؟ وہ حیران سی ہو گئی اسی دوران میں نے دیکھا، کہ ریلوے لائن کے اس پار سے کچھ چھوٹے چھوٹے بچے جن کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھنے دوڑے ہوئے آ رہے ہیں۔ لیکن سٹیشن کے پھاٹک پر کھڑے سنتری نے ان کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی، کہ ان بچوں کو بھگا دینے سے ان لوگوں کو کیا فائدہ ہوا؟

کسان دیش!

ہند کی طرح چین میں بھی زیادہ کام کھیتی کا ہی ہے۔ چین کی آبادی ۴۵ - اور ۵۰ کروڑ کے درمیان ہوگی۔ ابھی تک مردم شماری نہ ہونے کے کارن ٹھیک آبادی بتلانا مشکل ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا

کہ مستقبل قریب میں یہی مردم شماری ہونے والی ہے۔

۹۰ فی صدی لوگوں کا گذارہ کھیتی پر ہوتا ہے۔ جہاں جنوبی علاقوں میں زمین پر آبادی کا بوجھ زیادہ ہے، وہاں مغربی اور شمالی علاقوں میں آبادی کم ہے۔ ہند میں فی مربعہ میل اوسطاً ۳۱۲- انسان رہتے ہیں۔ لیکن چین میں اوسط ۱۲۳ ہے۔ چین کا رقبہ ہند سے تین گنا ہے۔ چین کے کھیت، کھیتی کرنے کا طریقہ۔ فصل، گاؤں۔ رہن سہن، مہمانوں کی عزت، ملکیت کا حق۔ کسانوں کی لاعلمی، اندھ وشواس۔ جنم مرن اور شادی کے رواج بہت حد تک بھارت سے ملتے جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ مزدور ڈیلی گیشن کا ممبر ہونے کے باوجود کسانوں کے مسئلہ کے سلسلے میں مجھے خاصی دلچسپی ہے۔

ٹن چین سے جب گاڑی چلی، تب میں کھڑکیوں سے باہر جھانک رہا تھا۔ گاؤں اور کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں پر نظر جم جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیتوں میں سے کچھ چنتے دیکھتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ یہ بچے، جنہیں اس وقت سکول میں ہونا چاہیئے تھا۔ اس وقت کھیتوں میں کیا کر رہے ہیں۔ بھارت میں غریب کسانوں کے بچے، اور ان بچوں میں ذرا بھی فرق نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ پھٹے چیتھڑے پہنے ہوئے کسان اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دے رہی تھی، جس سے پتہ چلتا، کہ چین کے کسانوں کی اقتصادی حالت بھارت کے کسانوں سے اچھی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ بجے ہم لوگ ٹن چن مین سے روانہ ہوئے تھے۔ اور تقریباً ساڑھے پانچ بجے کینٹن پہنچ گئے تھے۔ اتنے وقت میں ریل کی کھڑکیوں سے جھانک کر جو کچھ بھی دیکھا اس سے تو کوئی حوصلہ بڑھانے والی چیز دیکھنے کو نہیں ملی۔ میرے ساتھ

آسٹریلیا کے چھ اور لنکا کے دو ڈیلی گیٹ سفر کر رہے تھے۔ چین میں آسٹریلین ڈیلی گیشن کے نیتا شری ڈاڈسن نے مجھ سے پوچھا تھا۔ کہ ہند اور چین کے کسانوں میں کوئی فرق دکھائی دے رہا ہے یا نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ کہ ابھی تک تو کچھ فرق بھی دکھائی نہیں دے رہا۔

پیکنگ کے سفر میں دو اور واقعے ہوئے۔ کنیٹن سے روانہ ہو کر ہم لوگ پیکنگ جا رہے تھے۔ ایک سٹیشن پر ہماری گاڑی رکی ہوئی تھی۔ ایک عورت سٹیشن سے تھوڑی دور کھڑی ہم لوگوں کو حیرانگی کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گود میں دو تین سال کا بچہ تھا۔ ایک آسٹریلین ڈیلی گیٹ نے اس عورت کو ہاتھ کے اشارہ سے بلایا، اور سامنے میز پر پڑی ہوئی ٹافیوں میں سے کچھ اٹھا کر اس کے بچے کو دے دیں۔ ابھی وہ عورت ٹافیاں لے ہی رہی تھی۔ کہ ریلوے افسروں میں سے ایک وہاں آ پہنچا اور اس عورت پر اتنا ناراض ہوا۔ کہ وہ ٹافیاں چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اسی طرح اس سفر میں ایک دوسرے سٹیشن پر دوسرا واقعہ ہوا۔ اس سٹیشن جونہی گاڑی رکی، ہم لوگوں نے دیکھا۔ کہ کچھ لوگ کاغذ کے ڈبے میں بھر کر کچھ سامان دینا چاہتے تھے، ہم لوگوں کی گاڑی پہنچتے ہی افسر انہیں بھگانے لگے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ کہ وہ لوگ کیوں بھگائے جا رہے ہیں۔ میں نے اپنے مترجم سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا دے رہے ہیں۔ اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ میرے اور میرے ساتھیوں کے اصرار کرنے پر ایک پیکٹ سامان خرید کر ہم لوگوں کو دیا۔ کھانے پر پتہ چلا۔ کہ یہ تل اور گڑ کی بنی ہوئی مٹھائی ہے۔ پیکنگ پہنچنے تک ان واقعات کا اثر ہمارے دماغ پر تھا۔

بیچارے زمیندار!

پیکنگ پہنچنے کے دو دن بعد یعنی ۲۹ اپریل ۱۹۵۳ء کو ہم لوگ بھی ہین یی گاؤں دیکھنے کو گئے تھے۔ اس گاؤں کی سرکار کا دفتر اسی مکان میں ہے۔ جس میں زمیندار کا دفتر ہوا کرتا تھا۔ اس گاؤں کا مکھیہ، جو گرام سرکار کا پردھان ہے۔ پہلے نچلے طبقہ کا کسان تھا۔ یہ گاؤں ہم لوگوں کے استقبال کے لئے پہلے سے سجایا گیا تھا۔ ہم لوگوں کی گاڑی پہنچتے ہی گاؤں کے کچھ لوگوں نے تالیاں بجا کر ہم لوگوں کا استقبال کیا۔ دفتر میں گاؤں کی پوری رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی۔ بتایا گیا، کہ اس گاؤں میں زمینداروں سے ۱۲۰۷ ماؤ زمین چھین کر کسانوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ گاؤں کی فصل سینچائی۔ سکول، کواپریٹو شاپ، کواپریٹو بنک اور کواپریٹو سوسائٹی بھی دیکھنے ہم لوگ گئے تھے، گاؤں کے پرانے زمیندار کے گھر پر بھی گئے تھے۔ اس کے پاس اب دو گھر ہیں۔ اور تھوڑی سی کھیتی کے علاوہ خچر گاڑی چلا کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے، میں نے اس سے پوچھا—— "کہئے آجکل آپ کیسے ہیں؟" اس نے ہمارے مترجم اور میزبانوں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "مزے میں ہیں۔" اس جواب کی امید ہم لوگ کر رہے تھے۔

چین کی کھیتی کی اصلاحات کو سمجھنے اور کسانوں کی اقتصادی حالت جاننے کے لئے ۱۹۴۹ء سے پہلے کے چین کی اقتصادی حالت کا علم ہونا لازمی ہے۔ ۱۹۲۷ء میں کومنتانگ اور کمیونسٹ پارٹی میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں چین پہ جاپان نے حملہ کیا۔ چین میں

کبھی بھی مضبوط مرکزی سرکار نہیں رہی۔ جاپانی حملہ اور خانہ جنگی کی وجہ سے چیانگ کائی شیک کی سرکار ٹوٹتی گئی۔ اس سرکار کے مددگار بڑے بڑے زمیندار ہی تھے۔ وہ ہی اپنے اپنے علاقہ کے مالک بن بیٹھے۔ کسانوں کی لوٹ شروع ہوئی، کیونکہ زمینداروں کو ہی سرکار کا سارا خرچ چلانا پڑتا تھا۔ رسل و رسائل کے ذرائع کی کمی کی وجہ سے، اور اخراج بڑھنے سے گھریلو صنعتیں اور بیوپار چوپٹ ہونے لگے۔ زمینداروں کے مظالم سے کسان کراہ رہے تھے۔ اُن کے گھروں سے زمیندار کے کارندے زبردستی غلہ اٹھا لے جاتے تھے۔ جہاں تک کہ پانچ پانچ سال کا لگان پیشگی وصول کیا جانے لگا تھا۔ پیداوار تیزی سے گرتی جا رہی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی کے ترجمانوں کے کہنے کے مطابق ۱۹۴۹ء میں زمین کی پیداوار ایک چوتھائی سے بھی کم ہو گئی تھی۔ چھوٹی صنعتوں کی پیداوار میں ایک تہائی اور بھاری صنعتوں کی پیداوار میں ۷۰ فی صدی کمی ہو گئی تھی۔ کثرتِ زر اور آسمان چھونے والی قیمتوں نے چین کی پہلے سے کمزور اقتصادی حالت کو اور بھی بگاڑ دیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں تو کثرتِ زر کی یہ حالت تھی۔ کہ لوگ ٹوکری بھر کر نوٹ سبزی خریدنے کے لئے لے جاتے تھے۔ رشوت اور کالا بازار کا سامراج چھا گیا تھا۔ بڑے بڑے سرکاری افسر اور منتری کھلے عام رشوت لیتے تھے۔ کسانوں کی خیر و عافیت پوچھنے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ لگان من مانی شرح پر وصول کیا جا رہا تھا۔ کسان ترا ہمان ترا ہمان کر رہے تھے۔ کسان ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی تلاش میں تھے۔ نئی سرکار کے لئے بھی ضروری تھا۔ کہ وہ کسانوں کو اپنے حق میں کرے۔ کیونکہ زمیندار طبقہ نئی سرکار

کا دشمن تھا۔ اِس لئے سرکار نے سب سے پہلے کھیتی سُدھار کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔

پانچ طبقے

۳۰ جون ۱۹۵۳ء کو چین کی کمیونسٹ سرکار نے کھیتی سُدھار کے لئے متعلقہ قانون کا اعلان کیا۔ اِس قانون کے مطابق کھیتی پر گذارہ کرنے والے اشخاص کو پانچ طبقوں میں بانٹا گیا۔ (۱) زمیندار۔ (۲) دھنی کسان۔ (۳) درمیانہ طبقہ کے کسان (۴) نچلے طبقہ کے کسان اور (۵) بے زمین مزدور۔

زمیندار:۔ اس قانون کے مطابق اِس تشریح میں وہ لوگ آتے ہیں جو خود بڑی محنت نہیں کرتے تھے۔ اور جن کی زندگی کا سب سے بڑا آسرا زمین کا لگان تھا۔ بڑی محنت میں ہل کا جوتنا، فصل کاٹنا وغیرہ کام شامل ہیں۔ سہائیک محنت میں بہتری پیدا کرنا، اور جانوروں کی دیکھ بھال شامل ہے۔ جو لوگ سال میں کم از کم چار ماہ بڑی محنت زمین پر نہیں کرتے ہیں۔ وہ زمیندار طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ پانچ افراد کے خاندان میں اگر ایک فرد بھی چار ماہ بڑی محنت کرتا ہو۔ تو وہ پورے خاندان کی بڑی محنت جانی جاتی ہے۔ اس تشریح سے انقلابی فوجی شہیدوں کے سہارے جینے والے سرکاری افسر اور صنعتی مزدور وغیرہ بری ہیں۔

دھنی کسان۔ اِس تشریح میں وہ لوگ آتے ہیں۔ جن کے پاس اپنی زمین ہے۔ اور بڑی محنت کرتے ہیں۔ ایسے بھی دھنی کسان ہو سکتے ہیں: جو اپنی زمین کے ایک حصہ پر خود کھیتی کرتے ہیں۔ اور باقی زمین

لگان پر دے دیتے ہیں۔ اگر دھنی کسان اپنی زمین کا اتنا حصہ لگان پر اٹھا دیتا ہے، جو وہ یا اس کا خاندان خود یا کھیت مزدوروں کی مدد سے کھیتی کرتا ہے۔ اس سے زیادہ ہے۔ تو اس کی گنتی دوسرے درجہ کے زمیندار کے طبقہ میں ہوتی ہے۔

درمیانہ طبقہ کے کسان:۔ اس تشریح میں وہ لوگ آتے ہیں۔ جو زمین کے مالک ہیں۔ اس میں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کچھ زمین پر خود کھیتی کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین کو لگان پر اٹھا دیتے ہیں۔ ان کے پاس کاشت کے اوزار بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی محنت پر گذارہ کرتے ہیں عام طور پر یہ لوگ دوسرے کی محنت کی لوٹ کھسوٹ نہیں کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ لگان اور قرض کے سود کی شکل میں لوٹ کھسوٹ کا شکار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنی محنت کو فروخت نہیں کرتے۔

غریب طبقہ کے کسان:۔ اس تشریح میں وہ لوگ آتے ہیں، جنکے پاس بہت تھوڑی زمین ہے۔ ان لوگوں کے پاس صرف کھیتی کے اوزار ہوتے ہیں۔ زمین بالکل نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں سے زمین لگان پر لیتے ہیں۔ اور اپنی محنت کی لوٹ کھسوٹ کراتے ہیں۔ ان کی لوٹ کھسوٹ قرض کے سود، لگان اور مزدوری وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔

بے زمین مزدور:۔ اس تشریح میں وہ لوگ آتے ہیں۔ جن کے پاس نہ تو زمین ہے، نہ کھیتی کے سادھن۔ یہ لوگ اپنی محنت بیچکر ہی اپنی زندگی چلاتے ہیں۔

چین میں کھیتی سدھار کے متعلق جو قانون جاری کیا گیا ہے۔ اس کی پہلی دھارا کہتی ہے: "جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کا جو رواج زمینداروں

نے چلا رکھا ہے۔ اسے ختم کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ زمین پر کاشتکاروں کی ملکیت ہو گی۔ تاکہ گاؤں کی پیداوار ی طاقتیں آزاد ہو جائیں، کھیتی کی پیداوار بڑھے، اور نئے چین کی صنعتی ترقی کا راستہ صاف ہو جائے۔" اس نظریہ کو سامنے رکھ کر ہی چین کی نئی سرکار نے زمیندار نظام کو ختم کیا۔ اور کسانوں کی ملکیت کو اپنایا۔ کھیتی سدھار قانون کی دھارا ۲ کے مطابق زمینداروں کی زمین، کھیتی کے جانور، کھیتی کے اوزار اور فالتو اناج ضبط کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس کی دوسری دولت کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ دھنی، درمیانہ اور نچلے طبقہ کے کسانوں کی زمین ضبط نہیں کی گئی، جن کی گنتی چھوٹے زمینداروں میں کی گئی، ان کی وہ زمین جس پر وہ کاشت نہیں کرتے تھے، قانون کی نظر سے فالتو تھی۔ اس لئے اسے معاوضہ دیکر لے لیا گیا۔ جو زمینداروں سے چھینی گئی، اس کی تقسیم قانون کے مطابق کی گئی۔ گاؤں سبھاؤں کے ذریعہ کی گئی، جو زمیندار خود کاشت کرنا چاہتے تھے۔ بٹوارے کے وقت انہیں بھی دوسرے کسانوں اور مزدوروں کے برابر زمین دی گئی۔

زمین کا بٹوارہ۔

زمین کا بٹوارہ کسان سبھا کے ذریعہ کیا گیا۔ کسان سبھا، بے زمین مزدور، نچلے اور درمیانہ طبقہ کے کسانوں اور گاؤں کے ان عناصر کی جو جاگیرداری نظام کے خلاف ہوں۔ تنظیم اس لئے کرتی ہے تاکہ جاگیرداروں کے خلاف سدھار کرنے میں دقت پیدا نہ ہو۔ اور کسانوں کی بھلائی کے سلسلے میں سرکار نے جو قانون اور قاعدے بنائے ہیں۔

ان پر عمل کیا جا سکے۔ پیداوار بڑھانے، گاؤں سرکار پنچایتیں بنانے کھیتی اور اس کے ساتھ ہی گھریلو صنعتوں کی ترقی، کسانوں کی زندگی میں سُدھار کرنے کے لئے کسانوں کا سنگٹھن کرنے اور کسانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت، اُن کی کلچرل ترقی اور ری پبلک راج کی تعمیر میں حصّہ لینے کے لئے کسانوں کو تیار کرنا بھی اس سبھا کا مقصد ہے۔

اس سبھا کے ممبر بے زمین مزدور، نچلے اور درمیانہ طبقے کے کسان، گھریلو صنعتوں کے کاریگر اور غریب انقلابی اہلِ علم طبقہ کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ کھیتی سُدھار مکمل ہو جانے پر کسان بھی اس کے ممبر ہو سکیں گے۔ بے زمین کسانوں کی علیحدہ تنظیم بنانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

۸ مئی ۱۹۵۳ء کو پیکنگ ہوٹل میں کھیتی سُدھار کے سلسلہ میں رپورٹ دیتے ہوئے ڈپٹی جنرل سیکرٹری آف دی گورنمنٹ ایڈمنسٹریٹو کونسل شری ڈی-او-لو-این نے بتلایا۔ کہ کھیتی سُدھار کا قانون گاؤں کی حدود میں ہی لاگو کیا گیا ہے۔ شہروں کی زمین پر یہ قانون لاگو نہیں کیا گیا۔ ساتھ ہی قانون اُن علاقوں میں لاگو نہیں کیا گیا۔ جہاں اقلیتوں کے لوگ رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اِس سُدھار کے خلاف ہیں۔ ابھی تک یہ سُدھار تقریباً ۳۰ کروڑ دیہاتی آبادی پر لاگو کیا گیا ہے۔ یہ تعداد دیہاتی آبادی کا ۹۰ فی صدی ہے۔ اقلیتی قوموں کے علاقوں کی جہاں کھیتی سُدھار قانون لاگو نہیں کیا گیا۔ آبادی تین کروڑ ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا، کہ ابھی تک تقریباً ۷ کروڑ ماؤ زمین بے زمین مزدوروں اور کسانوں میں بانٹی گئی ہے۔ زمین کی تقسیم کے وقت جہاں آبادی کم ہے۔ وہاں سات ماؤ تک

اور جہاں آبادی زیادہ ہے، وہاں دو ماؤ تک زمین دیہات والوں کو ملی ہے۔ سینچائی کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے۔

۶ رمئی ۱۹۵۳ء کو ہم لوگ چان کوچنگ گاؤں دیکھنے گئے تھے۔ اس گرامیہ سرکار کے مکھیہ کا نام بانگ. لیسا ہے۔ چیانگ کائی شیک کے وقت یہ بے زمین مزدور تھا۔ زمین کی تقسیم میں اسے ۶ ماؤ زمین ملی ہے۔ اس سے جب میں نے کھیتی سدھار کے بارے میں پوچھا تو اس نے خوش ہو کر بتایا۔ کہ اُس نے زمینداروں کو مار بھگایا ہے۔ اور کسانوں کی چھاتی پر جو جاگیردارانہ چٹان پڑی ہوئی تھی۔ اس کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا ہے۔ کسان اب اپنی زمین کے مالک ہیں۔

بے زمین مزدور

میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا سبھی لوگوں کے پاس زمین ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "نہیں، اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کے پاس زمین نہیں ہے۔ وہ لوگ کسانوں کے گھر مزدوری کر کے اپنی روزی کماتے ہیں"۔ میں نے اس سے پوچھا، "انہیں کیا مزدوری ملتی ہے؟" اس نے جواب دیا۔ کہ کوئی مزدوری مقرر نہیں ہے۔ کسان اور مزدور آپس میں مزدوری طے کر لیتے ہیں۔ ایک۔ بے زمین مزدور کس طرح اپنی زندگی گذارتا ہے، یہ کہنا مشکل ہے۔ شروع میں روٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے لوگ شہروں کی طرف دوڑے تھے۔ اور کام نہ ملنے پر ہند کے بیکاروں کی طرح رکشا چلا کر پیٹ بھرنا شروع کیا تھا۔ لیکن شہروں کی بیکاری کو روکنے کے لئے بے زمین مزدوروں کو گاؤں چھوڑنے کی سخت ممانعت کر دی گئی ہے

ایک طرف چین کے گاؤں میں دھنی کسان ہیں. جن کے پاس زمین رکھنے کی کوئی حد نہیں، اور دوسری طرف بہت بڑی تعداد میں بے زمین مزدور ہیں۔ سرکاری افسروں نے یہ صاف بتلایا، کہ وہ زمین کی حد مقرر کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

لگان میں نابرابری!

کسانوں سے لگان غلّے میں ہی لیا جاتا ہے۔ یہ رواج بہت دیر سے چلا آرہا ہے۔ غلّے کی فصل تیار ہوجانے پر سرکاری افسر لگان کا فیصلہ کردیتے ہیں۔ یہ لگان دس فی صدی سے لیکر ۸۰ فی صدی تک ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے غریب کسانوں کو بھی کم از کم دس فی صدی لگان دینا ہی پڑتا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس اتنی تھوڑی زمین ہوتی ہے۔ کہ وہ اس سے اپنا پیٹ تک بھی نہیں بھر سکتے۔ اپنی خوراک کے لئے مزدوری کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک کسان کو سرکار کی طرف سے تعین شدہ قیمت پر غلّہ دینا پڑتا ہے۔ ہر علاقے میں اناج کا سرکاری سٹور بنایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غلّے کی وصولی میں سرکاری افسر بیرحمی سے کام لیتے ہیں۔ سرکاری رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس وصولی کے خلاف کسانوں نے بغاوت کی ہے۔ جگہ بہ جگہ غلّہ وصول کرنے والے افسر گھروں میں قید کر لئے گئے، پیٹے گئے۔ اور قتل کر دیئے گئے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق پچھلے سال تقریباً تین ہزار سرکاری افسر کسانوں نے قتل کر ڈالے یہ اعداد وشمار ادھورے ہیں۔

× × × × × ×

مال مویشی:-

۱۳ رسی کو جس گاؤں میں ہم لوگ گئے تھے۔ وہاں جب میں نے مال مویشیوں کے متعلق سوال پوچھا، تو جواب ملا۔ کہ اس گاؤں میں کل ۲۷ گدھے اور خچریں ہیں، جو ہل جوتنے کے کام آتے ہیں۔ اس گاؤں کی کل زمین ۱۵۹۶ ماؤ ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی۔ کہ نہ صرف اسی گاؤں میں بلکہ چین کے زیادہ تر گاؤں میں گائے نہیں، اور چین کے بچوں کو دودھ گھی نہیں ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ہم لوگوں کو پیکنگ یا کنٹن کے ہوٹلوں میں جو دودھ مل رہا ہے۔ وہ سرکاری ڈیری فارموں سے آتا ہے۔ یہ ڈیری فارم صرف سرکاری مہمانوں، سرکاری افسروں اور روسی ایکسپرٹوں کے لئے کھولے گئے ہیں۔ مال مویشی کی کمی کے کارن ہل میں جانوروں کی جگہ آدمیوں سے کام لیا جاتا ہے۔

میں نے گاؤں کے مکھیہ سے پوچھا۔ کہ اگر آپس میں مارپیٹ ہو جائے قتل ہو جائے، تو اس کا فیصلہ کیسے ہوتا ہے؟ پہلے تو اس نے کہا۔ کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر اس نے کہا۔ کہ جھگڑوں کا فیصلہ پولیس کورٹ کرتی ہے۔

چین میں اس وقت تک کوئی قانون نہیں ہے۔ صرف مزدور سنگٹھن اور کمیٹی سدھار کے لئے جو حکم جاری کئے گئے ہیں۔ انہیں قانون تو نہیں کہا جا سکتا۔ پولیس کورٹ کے جج سرکار کے اعتماد والے آدمی ہوتے ہیں۔ ان کی مرضی ہی وہاں کا قانون ہے۔ جس کو چاہیں زندہ رکھیں یا گولی سے اڑا دیں۔ اس کورٹ کا زیادہ تر کام سرکار کے مخالفوں کو گولی کے گھاٹ اتارنے کی سزا دینا ہوتا ہے۔ مزدور اندولن میں جس شخص نے

کام کے بوجھ، کام کے زیادہ گھنٹوں کے خلاف زبان کھولی، تو اُسے کومنتانگ کا ایجنٹ کہہ کر گولیوں سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ مجرم کو گولی سے اُڑانے سے پہلے سارا علاقہ میں گھما لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ لوگوں کے دلوں میں دہشت پیدا کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

کسانوں کی بغاوت!

میں چین کے کسانوں کی مالی حالت کا مقابلہ ہند کے کسانوں سے کرنا چاہتا ہوں۔ ہند کے کسانوں کے کندھوں سے بھی جاگیردارانہ جوئے اُتار پھینکے گئے ہیں۔ اگر کوئی ایکسپرٹ یہ حساب کرے کہ ۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک کتنے ایکڑ زمین پر کسانوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ چین میں جتنی زمین کمیونسٹ سرکار نے تقسیم کی ہے۔ اُس سے کہیں زیادہ ہند کے کسانوں نے اپنی طاقت سے لے لی ہے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ چین کا رقبہ ہند کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ دونوں سرکاروں کے نقطۂ نگاہ میں فرق ہے۔ چین کی سرکار کسانوں کا تعاون چاہتی ہے۔ بھارت سرکار زمینداروں، سرمایہ داروں اور رجعت پسندوں کا تعاون چاہتی ہے۔ پھر بھی اتنا تو بلا تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہند کے کسانوں کی اقتصادی حالت چین کے کسانوں سے اچھی ہے۔ چین کی سرکار نے سرمایہ اکٹھا کرنے کے لئے جو طریقہ اپنایا ہے۔ اُس کے خلاف چین کے کسانوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو آثار نظر آ رہے ہیں۔ اُس سے جان پڑتا ہے۔ کہ کسان تاناشاہی کے خلاف اپنا سر ضرور اٹھائیں گے۔

(۶)

تعلیم کی حالت۔ نئے خُدا کی پُوجا

نیا خُدا

شنگھائی۔ ۲۵ مئی ۱۹۵۳ء۔ اِس شہر کے سب سے بڑے ہوٹل، جو پہلے کیتھیہ ہوٹل کہلاتا تھا، کی نویں منزل پر ٹھہرا ہوا ہوں۔ ہمارے مُکھیہ میزبان مسٹر ہی لیو۔ ینینگ۔ آئی نے ——— جو آل چائنا فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کے نیتا ہیں۔ اِس ہوٹل کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے ہوئے بتایا۔ کہ "نجات" سے پہلے اِس ہوٹل کی طرف دیکھنا بھی عام جنتا کے لئے گناہ تھا۔ جاپانی حکومت کے وقت کوئی مسافر اِس ہوٹل کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے یہاں سے تیزی سے گزر جانا پڑتا تھا۔ جو شخص آہستہ آہستہ گذرتا تھا، اُس پر شک پیدا ہو جاتا تھا۔ اور وہ گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ ہوٹل چودہ منزلہ ہے۔ یہ علاقہ پہلے فرینچ ٹاؤن کہلاتا تھا۔ پارک کے چاروں طرف سویٹ تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ یہ پارک ہری بھری گھاس سے خوبصورت دکھائی دے رہا ہے۔ آج مَیں اپنے کمرہ میں اکیلا ہوں، کیونکہ دوسرے ساتھی شہر دیکھنے گئے ہیں۔ سامنے

کے پارک میں قطار باندھے تقریباً دو ہزار لڑکیاں جن کی عمر ۱۶- اور ۲۴ کے درمیان ہوگی، پریڈ کر رہی ہیں، سب نے نیلی نیکر، اُجلی قمیص اور کنویس کے بُوٹ پہن رکھے ہیں- ایک ہاتھ میں اُجلے کنول کے اور دوسرے ہاتھ میں لال کنول کے پھول، جو کپڑے کے بنے ہوئے ہیں، لئے ہوئی ہیں- پارک کا یہ نظارہ بہت ہی جاذب ہے- فوجی بینڈ بج رہا ہے- اور اسی کے مطابق لڑکیاں پریڈ کر رہی ہیں- ایسا دکھائی دیتا ہے- کہ انہیں کسی لڑائی کی تیاری کی تعلیم دی جا رہی ہے، سارے چین میں اس طرح کی تیاری دیکھنے کو ملتی ہے- شاید لوگوں کے اندر جنگ کی بھاونا پیدا کر اُن کے حیوانی رجحان کو اُبھارا جا رہا ہے-

جہاں جہاں بھی تاناشاہی قائم ہوئی ہے ؛ حاکموں نے دوسرے ملک کے حملہ کا ہوّا دکھا کر سارے ملک کے نوجوانوں کے دل میں لڑائی کی بھاونا پیدا کر دی ہے- اور آخر میں انہی نوجوانوں کو لیکر دوسرے ملکوں کی آزادی چھینی ہے- اس طرح کی تیاری کے لئے "ایک خدا" اور ایک سیاسی پارٹی کی رہنمائی میں یقین ہونا لازمی ہے- اس کو پروپیگنڈہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جرمنی میں ہٹلر، اٹلی میں مسولینی، روس میں سٹالن اور چین میں ماؤ سے تنگ کو خدا کی جگہ دیکھکر لوگوں کے دلوں میں اٹوٹ یقین پیدا کروایا گیا ہے- جرمنی میں ہر ہٹلر کی آواز سنتے ہی نوجوانوں کے دل پھڑک اُٹھتے تھے- یہاں بھی ماؤ سے تنگ کے نام میں وہی جادو ہے- ہٹلر نے جنگ میں ہارے ہوئے جرمنی کی تعمیر کے ارادہ کا اعلان کیا تھا- ماؤ سے تنگ نے پچھڑے اور خانہ جنگی سے برباد چین کی تعمیر کا اعلان کیا ہے بہت کچھ اس نے کر بھی دکھایا ہے- تھوڑے وقت میں چین کی تعمیر میں

جو کامیابی اُسے نصیب ہوئی ہے۔ وہ چین میں رہنے والوں کے لئے غرور کی بات ہو سکتی ہے۔ تعلیم کا نظام ایسا بنا ڈالا گیا ہے کہ نوجوان اس کے احکام کو خدا کا لفظ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ ہم لوگ جہاں بھی گئے، اُس کی تعریف کے گیت سننے کو ملے۔ بچوں کے ہوسٹل سے لیکر تھیٹر، ناچ گھر، یونیورسٹی، مندر اور مسجد ——— سبھی جگہ ماؤ کا گیت سُننے کو ملا۔ اُسی گانے کی آواز اس وقت بھی سامنے والے پارک سے آ رہی ہے، پارک کے کنارے کے درمیان فوجی پوشاک میں ایک افسر کھڑا دکھائی دے رہا ہے۔ اسی کے اشارے پر گانا اور پریڈ ہو رہی ہے۔ گانا یہ ہے:-

"پراچی لال، سورج نکل رہا ہے، چین ماؤ سے تنگ کا جنم دیکھ رہا ہے۔

وہ جنتا کی بھلائی کے لئے لڑتا ہے۔

ہُو...... لی..... یا

وہ جنتا کا سب سے بڑا رکھوالا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی سورج کی طرح گھومتی ہے۔

جہاں کہیں بھی یہ چمکتی ہے، روشنی لاتی ہے۔

ہم لوگ کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں چلتے ہیں۔

ہُو...... لی...... یا

ہم لوگ ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائیں گے۔

چیئرمین عوام کو پیار کرتے ہیں۔

نئے چین کی تعمیر میں وہ ہمیں راستے دکھانے والے ہیں۔

ہنُو ...... لی ..... یا

بڑھے چلو، بڑھے چلو"

وہ یہ گانا کتنی شان سے گا رہی ہیں۔ مَیں نے دیکھا، کہ اِس گیت کے گانے میں چین کے نوجوانوں کے چہرے پر کس طرح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ ایشور بھگت جب ایشور کی پرارتھنا کرتے ہیں، تب ان کے چہرے پر شانتی اَور خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح کے آثار ان نوجوان لڑکوں اَور لڑکیوں کے چہروں پر بھی جھلکتے ہیں۔ چینی نوجوانوں کے چہروں پر خوشی اَور جنگ کی تیاری کی بھاونا بھی دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح کا ایک گانا سٹالن کے نام پر ہے۔ اَور دوسرا ماسکو، پیکنگ پر، لال چین کا قومی ترانہ، متذکرہ بالا باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہی بنایا گیا ہے۔ وہ ترانہ یہ ہے:

" جو لوگ غلام ہونے سے اِنکار کرتے ہیں وہ اُٹھیں
ہمارے خون اَور پسینہ سے ایک نہاں دیوار "گریٹ
وال" بنائی جائے گی۔ چینی راشٹریہ کے سامنے ایک
بہت بڑا خطرہ ہے۔ سب طرف سے یہی آواز آ
رہی ہے ـــــــ "اُٹھو! اُٹھو!! اُٹھو!!! کروڑہا
لیکن ایک دل سے، دُشمن کی گولیوں کا سامنا دلیری
سے کرتے ہوئے بڑھے چلو! بڑھے چلو!! بڑھے چلو!!!"

تعلیم کا آدرش۔

چین کی کلچر اَور تعلیم وغیرہ کا صرف ایک کام ہے۔ اَور وہ ہے،

ایسے شہریوں کو تیار کرنا، جو ماؤ سے تنگ کے احکام کے سلسلہ میں دلیل بازی نہ کر سکیں۔ اس نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے چین کے وزیر تعلیم شری ماڈ - ہو - لن نے کہا ہے۔ "تیسرا کام اُستادوں کے آدرش کو نیا روپ دینا ہے۔ وہ اُستاد، جو محنت کشوں کی سیوا کرنا چاہتے ہیں، ماؤ سے تنگ کی تعلیم کو نگاہ میں رکھ کر خود نئی تعلیم حاصل کر کے اپنے آدرش کو ایک نئی شکل دینے میں آگے بڑھے ہیں۔ اُنہوں نے نئے سدھانتوں کو پڑھا، تعلیم کے نئے طریقہ اور نقطۂ نظر کو سمجھا، اور پرانے آدرش نقطۂ نظر، اور طریقوں پر نکتہ چینی کی۔ انہوں نے سچائی کی کھوج کرنا سیکھا۔ غلطیوں کو اپنے اوپر آپ نکتہ چینی کر کے ان غلطیوں کو ٹھیک کرنا سیکھا۔ اور دوست اور دشمن کو پہچاننا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی بورژوا اور محنت کش جنتا کی تفریق کو سمجھا۔ اس تحریک سے اُستاد طبقہ کی شُدھی ہوئی۔ اور اب اُستاد اپنا کام سرگرمی سے کر رہے ہیں۔" چین کے شہریوں کے لئے جو پندرہ سالہ تعلیمی پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ اس کا ایک اور صرف ایک مقصد ہے۔ اور وہ ہے، کمیونسٹ پارٹی کے لئے اندھ وشواسی کارکن تیار کرنا۔

۲۸- اپریل ۱۹۵۳ء ہم لوگ پیکنگ کا پرائمری سکول دیکھنے گئے۔ اس سکول میں ۲۵ کلاسیں ہیں۔ اور طالب علموں کی تعداد ۱۰۹۰ ہے۔ غالباً یہ پیکنگ کا سب سے بڑا پرائمری سکول ہے۔ اس کی ہیڈ مسٹرس شریمتی وانگ چینگ ہیں۔ اُن کی عمر تقریباً ۶۰ برس کی ہوگی۔ انہوں نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہمارا اِستقبال کیا۔ اور ہر جماعت میں جا کر تعلیم کا طریقہ سمجھایا۔ جس کلاس میں ہم لوگ گئے

وہاں بھی دیکھنے کو ملا۔ کہ طالب علم "یوم مئی" کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ہر ایک طالب علم چیرمین ماؤ کو بھینٹ کرنے کے لئے طرح طرح کی چیزیں بنا رہا ہے۔ مئی دوس کے روز کس طرح پریڈ کریں گے۔ کون سا گانا گائیں گے، کس طرح چیرمین ماؤ کے سامنے اپنی بھگتی کا اظہار کرینگے اس کی پوری تعلیم دی جا رہی تھی۔

آجکل کے چین میں تعلیم کی مدت ۱۰ سال کی ہے۔ ۴ سال پرائمری تعلیم ۲ سال سیکنڈری تعلیم اور ۴ سال یونیورسٹی تعلیم۔ سال میں دو سیشن ہوتے ہیں ہر ایک سیشن کے شروع میں طالب علموں کو کچھ فیس جمع کرانا پڑتی ہے۔ پرائمری سکولوں میں قدرتی سائنس پر کافی زور دیا جاتا ہے۔ سیکنڈری سکولوں میں ایسے مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے، جس تعلیم کو حاصل کر کے طالبعلم ورتمان چین کے نرمان میں مددگار ثابت ہو سکیں۔ یونیورسٹی کی تعلیم کی سطح ہند کی نسبت بہت ہی نیچی ہے۔ لیکن جس طرح پچھلی جنگ کے موقعہ پر ہندوستانی نوجوانوں کو "بیون بوائز" پلان کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ اب چین میں اسی طرح کے پلان پر عمل کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم انہی طالبعلموں کو میسر ہے، جنہیں سرکار تعلیم دینا ضروری سمجھتی ہے۔ یونیورسٹی کے کچھ طالب علموں کو صرف فیس ہی معاف نہیں کی جاتی۔ بلکہ سرکار انہیں بھوجن اور کتابوں کا خرچ بھی دیتی ہے۔

روسی ڈیلی گیشن

۲۲ اپریل کو ہندوستانی اور روسی ڈیلی گیشنوں کے ممبران نے پہلی بار ایک میز پر بیٹھ کر چائے وغیرہ پی۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا

کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے خیالات جانتے رہیں۔ روسی ڈیلی گیشن کے ممبران کا برتاؤ چینیوں کے ساتھ اسی طرح کا تھا۔ جس طرح انگریز ہندوستانیوں سے کرتے تھے۔ اغلباً روسی اپنے کو چینیوں سے بہتر خیال کرتے ہیں۔ اسی جذبہ کی وجہ سے ایک ہی ہوٹل میں رہنے اور ایک ہی ہال میں کھانا کھانے کے باوجود ایک دوسرے سے بات چیت کرنا تو دور کبھی ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی۔ ہندوستانیوں کے کھانے اور چائے پینے کے لئے ایک الگ میز تھا، اور روسیوں کے لئے الگ۔ ہندوستانیوں میں سے کچھ کو یہ طریقہ اور انتظام اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس لئے ہم لوگوں میں سے کچھ نے اپنے میزبان سے اصرار کیا۔ کہ ایک روز روسی اور ہندوستانی نمائندے ایک ہی میز پر بیٹھ کر چائے پئیں، تاکہ تبادلہ خیالات ہو سکے۔ اسی اصرار کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ ہم لوگ ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔

چین میں جتنے بھی مزدور ڈیلی گیشن گئے تھے۔ اس میں ہندوستانی ہی ایک ایسا ڈیلی گیشن تھا، جس میں کمیونسٹوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی تھے۔ ہمارے میزبانوں نے ایسا انتظام کر رکھا تھا۔ جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ بین الاقوامی مزدور سنگھ، اور روسی اور ہندوستانی ڈیلی گیشنوں کے استقبال اور آرام کا خاص دھیان رکھا جاتا تھا۔ اکثر تینوں ڈیلی گیشنوں کو ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ ان کا پروگرام بھی ایک ساتھ رہتا تھا۔ یہ ایک ہی طرح کے سیلون یا گاڑی میں لے جائے جاتے تھے۔ ہر ایک پروگرام بین الاقوامی مزدور سنگھ اور روسی ڈیلی گیشن کی رائے سے بنایا جاتا تھا۔ ہندوستانی ڈیلی گیشن کی

عزت روئیوں کے برابر کیوں کی جاتی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ ہمارے ایک ساتھی کی رائے میں ہند کی دوستی کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ایشیا میں چین کے بعد ہند ہی ایک ایسا ملک ہے۔ جس کی دوستی کی قیمت چینیوں کی نظر میں بہت زیادہ ہے۔

روسی ڈیلیگیشن کے چھ ممبر تھے۔ تین آدمی اور تین عورتیں۔ روسی ڈیلیگیشن کی ایک عورت ممبر نے پوچھا، کہ کیا ہند میں عورتیں مزدوروں میں کام نہیں کرتی ہیں؟ میں نے فوراً جواب دیا۔ "ہند مزدور سبھا کی لیڈر کماری منی بہن کارا کا نام تو اغلباً آپ نے سنا ہی ہوگا۔ کیونکہ ہندوستانی مزدور اندولن میں اُن کی دین بہت زیادہ ہے"۔ وہ چپ ہو گئیں۔ ہم لوگ روس کی مزدور تحریک کے متعلق بات چیت کر رہے تھے۔ ہمارے ایک ممبر چینی مزدور تحریک کا آدھار بھی روسی سٹاکھنووسٹ لہر بتلا رہے تھے۔ روسی ممبران اس کی باتوں کو ظاہری شکل میں ماننے سے ہچکچا رہے تھے۔ وہ ہم لوگوں کے دماغ میں یہ بٹھا دینا چاہتے تھے۔ کہ روس مزدوروں کا سورگ ہے۔ ہمارے ڈیلیگیشن کے کچھ ممبر اس کو ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھے۔ وہ صرف اقتصادی ترقی کی ہی بات نہیں کرتے تھے بلکہ سیاسی جمہوریت کے بارے میں روسی نظام پر نکتہ چینی کر دیا کرتے تھے۔ میں نے بات ختم کرنے کے مقصد سے کہا۔ چاہے روس میں مزدوروں کو کتنی ہی سہولیات حاصل کیوں نہ ہوں۔ لیکن ہندوستانی مزدوروں کو جتنی چھٹیاں ملتی ہیں۔ دوسرے کسی ملک کے مزدوروں کو اتنی چھٹیاں نہیں ملتیں۔ میں نے اُنہیں بتایا، کہ ہند میں ایسی بھی فیکٹریاں ہیں، جہاں ہفتہ واری چھٹی کے علاوہ سال میں ۱۵ دن تہواروں کی

چھٹیاں، ۱۵ دن بیماری کی چھٹیاں - ۱۵ دن CASUAL چھٹیاں اور ۳۰ دن حق کی چھٹیاں ملتی ہیں۔ یہ سُن کر روسیوں کو بڑی حیرانی ہوئی۔ اُنھوں نے کہا، کہ اِس سے ملک کا نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے اُنھیں جواب دیا۔ کہ زیادہ آرام کا موقعہ ملنے سے کارکردگی بھی بڑھتی ہے۔

تعلیم

پرائمری سکول دیکھنے کے بعد وہاں کا تعلیمی نظام ہم لوگوں کے لئے ایک مضمون بن گیا تھا۔ مَیں نے کہا۔ کہ چین میں پرائمری تعلیم لازمی کیوں نہیں ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اِس کا کوئی جواب روسی نمائندوں کے پاس نہیں تھا۔ جس روز میں لال چین میں داخل ہوا تھا، اس روز سے ہی چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیتوں میں گھومتے دیکھ کر یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ کینٹن میں جب ہم لوگ ایک جگہ دیکھنے گئے، تو وہاں ایسے لڑکے ملے، جو سکول نہیں جاتے تھے۔ اُن کے کپڑے اور چہرے یہ بتلا رہے تھے۔ کہ اُن کا پڑھنے لکھنے سے کوئی تعلق نہیں، بعد میں معلوم ہوا۔ کہ غریبوں کے بچے پڑھنے نہیں جاتے۔ اگر اُن کا نام سکول میں درج بھی ہے۔ تو بھی وہ کبھی کبھار وہاں چلے جاتے ہیں۔ اکثر یہ بچے اپنے گھریلو جانوروں کے لئے گھاس کاٹ کر لایا کرتے ہیں، یا کھیتی کے کاموں میں اپنے والد کی مدد کیا کرتے ہیں۔ غریبوں کی بہشت میں پرائمری تعلیم بھی لازمی نہ ہو۔ یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس لئے میں نے روسی ڈیلی گیشن کی عورت

ممبر کو جو روسی تعلیمی سنگھ کی پردھان تھی، بتلایا، کہ ہند میں کچھ صوبائی سرکاروں نے شہری علاقوں میں پرائمری تعلیم کو لازمی کر دیا ہے۔ وہ بیچاری میری بات سن کر چپ ہو گئی۔ چین کے تعلیمی نظام کے اس پہلو کی صفائی میں اُس نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

جھوٹا کون؟

رُوسی نمائندوں سے بات چیت کرتے وقت کچھ عجیب واقعات بھی ہوئے۔ جب میں نے روسی نمائندوں کو چھٹیوں اور لازمی پرائمری تعلیم کی بات بتائی، تب ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ایک ممبر بول اٹھے، کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ جھوٹی باتیں ہیں۔ اُن کے اِس سلوک سے ہم لوگوں کے دل کو کافی ٹھیس پہنچی۔ یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے۔ کہ ہندوستانی ڈیلی گیشن میں تین قسم کے ممبر ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں، جو صرف حج کرنے آئے ہیں، دوسرے وہ لوگ ہیں، جو چین سے پریرنا لینے آئے ہیں۔ اور تیسرے وہ لوگ ہیں، جو چین کی اصلیت سمجھنے آئے ہیں۔ اس روز سے میرے دماغ میں برابر یہ سوال اٹھا کرتا ہے۔ کہ اگر ایسے ہی اِنسان ہندوستانی نمائندے بنکر دوسرے ملکوں کو جایا کریں۔ تو اس سے ہند کی بدنامی ہو گی۔ جنہیں اپنے دیش کی بھی واقفیت نہیں ہے۔ وہ دوسرے دیشوں میں جا کر اپنے دیش کی شکایت کے علاوہ اور کریں گے بھی کیا؟

کینٹن سے ہم لوگ پیکنگ آ رہے تھے۔ ہماری گاڑی ہانگ کاؤں سے ہو کر پیکنگ جا رہی تھی۔ ہانگکاؤں میں یانگتسی دریا کو پار کرنا تھا۔ اِس دریا پر کوئی پل نہیں ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کے سپیشل

سیلون کو کشتی کے ذریعہ پار کر کے پیکنگ جانے والی گاڑی سے جوڑ دینے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب ہم لوگ ہانگکاؤ پہنچے تھے۔ پیکنگ والی گاڑی ساڑھے پانچ بجے شام کو چلتی تھی۔ اسی دوران ہم لوگ کھانے کے بعد مزدوروں کا کلچرل گھر دیکھنے گئے۔ چین کے ہر شہر میں آپ کو کلچرل گھر دیکھنے کو ملیں گے۔ اُن میں سینما، کھیل لائبریری، میٹنگ ہال وغیرہ سب ملیں گے۔ بچوں کے لئے الگ لائبریری ہوتی ہے۔ اُن کے لئے چھوٹی چھوٹی "با تصویر کتابیں رکھی جاتی" ہیں۔

کلچرل گھر دیکھنے کے بعد ہم لوگ شرمیتی سن یت سین پارک دیکھنے گئے تھے۔ اتوار کا دن تھا۔ پارک لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ طرح طرح کے کھیل کود اور تماشوں میں مصروف تھے۔ پارک کے ایک حصہ میں بچوں کے لئے کھیل کا الگ انتظام تھا۔ کچھ نوجوان مزدور عورتیں تالاب میں کشتیاں چلا رہی تھیں۔ ہندوستانی لباس میں مجھے دیکھ کر ایک دوشیزہ کو کچھ عجیب سا لگا۔ وہ اپنی کشتی لیکر دوڑ پڑی۔ میں تالاب کے کنارے کھڑا تھا۔ اُن کی خوشی کا اندازہ لگا رہا تھا۔ لڑکی نے کنارے اپنی کشتی لاکر کھڑی کر دی۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی۔ کہ میں بھی اُس کے کھیل کود میں حصہ لونگا۔ وہ مجھے ہاتھ سے بلانے لگی۔ میرے میزبان نے بتلایا، کہ گاڑی چلنے میں بہت تھوڑا وقت باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے اُس کی دعوت کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم لوگ جب تک پارک میں رہے لوگوں کی بھیڑ ہم لوگوں کو گھیرے رہی۔ دو چھوٹے بچے تو میرے ہاتھ کی انگلیاں پکڑے برابر ساتھ ساتھ گھومتے رہے۔ جب انہیں الوداع کہی، تو دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

چین میں بچوں کی صحت کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے۔ ہر سکول میں ڈاکٹر رہتے ہیں۔ جو اکثر طالب علموں کی صحت کی جانچ کرتے رہتے ہیں۔ بچپن سے ہی انہیں صحت اور صفائی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں تصویروں کے ذریعہ انہیں صحت سے متعلق واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی منہ پر نقاب لگائے ہوئے دیکھا۔ شاید انہیں بتایا گیا ہے۔ کہ امریکہ جراثیم کے بم استعمال کر رہا ہے۔ اس لئے اُن سے بچنے کے لئے ناک اور منہ کو ڈھکنا ضروری ہے۔ سڑکوں اور گھروں کی صفائی کی اہمیت بتلائی جاتی ہے۔ چین میں سڑک صاف کرنے کے لئے میونسپل کمیٹیوں کو ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جس مکان والے کے سامنے سڑک پڑتی ہے۔ اُس کی صفائی کی ساری ذمہ داری اس مکان میں رہنے والے کی ہوتی ہے۔ صفائی نہ کرنے پر اُس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔ جہاں چین میں سماجک صفائی کا اتنا دھیان رکھا جاتا ہے وہاں انفرادی صفائی پہ کم دھیان دیا جاتا ہے۔ سننے میں آیا ہے۔ کہ چینی لوگ زندگی میں دو دفعہ نہاتے ہیں۔ پہلی دفعہ جب پیدا ہوتے ہیں۔ اور آخری بار جب مرتے ہیں۔ یہ بات کہاں تک سچ ہے، کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ چینیوں کے جسموں سے برابر بدبو آتی ہے۔ چینی بچوں کو گود میں لے کر کھیلنا ہندوستانی نمائندوں کے لئے ہمت کی ہی بات تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں بچوں کے لئے کتابوں کی سرکاری دوکانیں ہیں۔ جہاں سے وہ اپنی پسند کی کتابیں خرید سکتے ہیں۔

سماجک تعلیم

ہر ایک سکول میں ایک پیریڈ اخبار پڑھنے کا ہوتا ہے۔ اس میں اُستاد طالب علموں کو اخبار پڑھ کر سُناتے ہیں۔ اور اِس پر اُن کی رائے مانگتے ہیں۔ چین کے تمام اخبار سرکار کی زیر ہدایت چلتے ہیں۔ اخباروں میں صرف یہی خبریں ہوتی ہیں، کہ کس فیکٹری کی یا کس گاؤں کی کتنی پیداوار بڑھی۔ کبھی کبھی کسی کمیونسٹ لیڈر کی پیداوار سے متعلقہ تقریر بھی ہوتی ہے۔ کوریا میں چینی فوج کس بہادری سے لڑ رہی ہے۔ اِس کی خبر بھی چھپ جایا کرتی ہے۔ چین کے طالب علم بدیشی خبروں سے محروم رکھے جاتے ہیں۔ باہر کی دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اسے وہ بالکل ہی نہیں جانتے۔ بدیشی اخبار منگانے کی ممانعت ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ چین میں شارٹ ویو ریڈیو نہیں ملتا۔ اس خبر میں سچائی ہو یا نہ، لیکن حقیقت تو یہ ہے، کہ کوئی چینی ریڈیو پر بدیشی خبر سننے کی حماقت نہیں کر سکتا۔

تعلیم بالغاں کی طرف بھی دھیان دیا جا رہا ہے۔ چینی بھاشا میں سُدھار کی طرف بھی چینی افسران کا دھیان ہے۔ یہی میں کچھ ضروری سُدھار لاکر اُسے آسان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چینی بھاشا میں ۶ ہزار الفاظ ہیں۔ دو ہزار الفاظ جاننے پر پڑھا اور لکھا جا سکتا ہے۔ ۴ ہزار الفاظ جاننے پر چینی زبان کا عام علم ہو جاتا ہے۔ چین میں تعلیم پرچار کا ایک حصّہ بن گیا ہے۔ چین سرکار اِس میں ماہر ہو چکی ہے۔ کوئی بھی پلان شروع کرنے سے پہلے سرکار کے سبھی محکمے پرچار میں لگ جاتے ہیں۔ اور چین کے شہریوں میں اِس طرح کا اُتساہ پیدا کر

دیتے ہیں۔ جس سے وہ لوگ خود ہی اس پلان کو لاگو کرنے کے لئے سرکار سے اصرار کریں۔ چینی سرکار کی پلانوں میں کامیابی کی ایک یہ بھی بہت بڑی وجہ ہے۔ کہ پلان شروع کرنے سے پہلے ہی لوگوں کو اس سلسلہ میں تعلیم دی جاتی ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں میرے دماغ میں برابر پیکنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا وہ بھاشن جو ہم لوگوں کے استقبال میں دیا گیا تھا، گھوما کرتا ہے۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ "نجات سے پہلے ہم نے جو کچھ پڑھا تھا، سیکھا تھا، علم حاصل کیا تھا، وہ بالکل جھوٹ تھا۔ نجات کے بعد چیئرمین ماؤ نے ہمیں نیا علم اور نئی تعلیم دی ہے۔ اسی کو اپنا کر ہم اپنی یونیورسٹی کے طالب علموں کو تعلیم دے رہے ہیں"۔ کیا یہی تعلیم ہے؟ کیا پروپیگنڈہ اور تعلیم میں کوئی فرق نہیں ہے؟ سچائی اور علم بھی کبھی جھوٹ ہوتا ہے؟ اس کا جواب کوئی گیانی ہی دے سکتا ہے۔

(۷)

نئے چین کی نئی جھلکیاں!

چین کا کشمیر

ہانگچاؤ - ۲۸ مئی ۱۹۵۳ء - تین ہفتے تک گھومنے کے بعد ہم لوگ یہاں پر لائے گئے ہیں۔ یہ ایک صحت افزا مقام ہے۔ سرکاری مہمان خانہ ایک جھیل کے کنارے بنایا گیا ہے۔ شاید گھومنے کی تھکاوٹ کو دور کرنے کے خیال سے ہی ہم لوگ یہاں لائے گئے تھے۔ ہندوستانی ڈیلیگیشن کے کچھ ممبر اس جگہ کو "چین کا کشمیر" کہہ رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا، "کیا کبھی آپ لوگ اتر پردیش کی کماؤں ڈویژن میں گھومے ہیں؟" سبھی لوگوں نے بتلایا۔ کہ وہ لوگ وہاں کبھی نہیں گئے۔ حیرانگی ہو رہی تھی، کہ لوگ بنا جانے بوجھے کیسے کسی جگہ کا مقابلہ دوسری جگہ سے کر دیا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ ہانگچاؤ خوبصورتی اور صحت کے لحاظ

سے اچھی جگہ ہے۔ لیکن اُس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا۔ کہ اس کا مقابلہ کشمیر سے کیا جائے۔ نینی تال کی خوبصورتی سے بھی ہانگچاؤ کا مقابلہ کرنا بڑی حماقت ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ یہاں کی جھیل نینی تال کی جھیل سے بہت بڑی ہے۔ ہم لوگوں کے لئے کشتی چلانے کا بھی اچھا انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں عام لوگ بھی کرایہ دیکر کشتی چلانے کا لطف اٹھاتے ہیں۔ کشتیاں چلانے کا کام زیادہ تر عورتیں کرتی ہیں۔ آج شام کو بازار سے خرید و فروخت کر کے ہم لوگ لوٹے۔ تو میزبان نے کشتی کی سیر پر اصرار کیا۔ ہم میں سے کچھ لوگ اپنے کو اس لالچ سے چھڑا نہیں سکے۔ اور وہ کشتی کی سیر کے لئے نکل پڑے۔ ہم لوگوں کی کشتی جونہی جھیل کے درمیان پہنچی، دوشیزاؤں سے بھری ہوئی پانچ کشتیوں نے ہم لوگوں کو گھیر لیا۔ سنگیت اور خوشی کی ہنسی سے جھیل گونج اٹھی۔ ہندستانیوں کو بھی ان دوشیزاؤں کے اصرار پر اپنا گانا سنانا پڑا۔ آج کشتی کی سیر میں بڑا آنند آیا تھا۔

شام کو ہانگچاؤ ٹریڈ یونین کونسل کی طرف سے ہم لوگوں کو دعوت دی گئی تھی۔ آج ہندستانی ڈیلی گیشنوں کے ممبران کو ایک ساتھ کھانا کھلانے کا آخری دن تھا۔ کل کچھ لوگ کینٹن ہوتے ہوئے ہانگ کانگ چلے جائیں گے۔ اور وہاں سے اپنے دیش کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ کچھ پیکنگ ہوکر روس اور مشرقی یورپ کے ممالک کی سیر کو جائیں گے۔ اس لئے ہم لوگ سب نمائندوں کے میزوں کے سامنے باری باری جا کر، ان کو الوداع کہہ رہے تھے۔ ڈیلی گیشن کے لیڈر بھی میزبانوں کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

انڈونیشیا سے مرکزی مزدور سنگھ کے پانچ نمائندے تھے۔ ان لوگوں نے اس بات کا اعلان کیا۔ کہ وہ ملک واپس جا کر وہاں کے مزدور سنگھوں کو ایک لڑی میں پرو دینگے۔ ایکتا کے اس اعلان سے ہندوستانی کمیونسٹ نمائندے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے ہند مزدور سبھا کے ڈیلی گیشن کے ممبران کے سامنے یہ تجویز رکھی، کہ ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ممبر بھی لاؤڈ سپیکر سے اس بات کا اعلان کریں۔ کہ ہم لوگ بھی اپنے ملک لوٹ کر مزدور سنگھوں کی ایکتا قائم کرینگے۔ اس تجویز کو ماننے سے مَیں نے انکار کر دیا۔ کچھ ساتھیوں کو میرے اس فیصلہ پر دُکھ ضرور ہوا۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ ہند مزدور سبھا کے نمائندوں میں سے کوئی بھی ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جسکی کوئی ساتھی مخالفت کرتا ہو۔ ہمارے ڈیلی گیشن کی یہ ایک خوبی تھی، ایسا ہمارے ڈیلی گیشن کے لیڈر شری شوناتھ بینرجی کی وجہ سے تھا، جو کبھی کبھی اکثریت کو دھیان میں رکھ کر اپنے خیالات کو دبا لیا کرتے تھے۔ میرے دماغ میں مزدور ایکتا کے پیچھے چل رہی سیاست کا ایک دُھندلا سا نقشہ تھا۔ ہند مزدور سبھا کے ڈیلی گیشن کی طرف سے شری شوناتھ بینرجی نے اکھل چینی مزدور سمیلن کو جو سندیش دیا تھا۔ اس میں جمہوریت اور مزدور اندولن کے بُنیادی سدھانتوں کی طرف اشارہ تھا۔ اس پیغام کو سُنکر چینی سیاست دانوں کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

شنگھائی میں مجھ سے ہندوستانی مزدور ایکتا کے سلسلہ میں کھُل کر باتیں ہوئیں۔ میں نے اُن سے ایک ہی سوال پوچھا تھا۔ جس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ مَیں نے اکھل چینی مزدور سمیلن میں دیئے گئے

چینی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل کے بھاشن کے اس حصہ کی طرف دھیان دلایا تھا۔ جسمیں کہا گیا تھا، کہ کوئی بھی مزدور تحریک تب تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جبتک وہ کسی سیاسی پارٹی کی رہنمائی قبول نہیں کرتی۔ سمیلن میں اُنہوں نے غرور کے ساتھ اِس بات کا اعلان کیا تھا۔ کہ جب سے چینی مزدور تحریک نے کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی قبول کی ہے۔ تب سے وہ دن بدن تیز ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے اپنے چینی دوست کو تبلایا۔ کہ اگر تمہارا یہ سدھانت مان لیں، تو پھر ہند میں مزدور تحریک کو بھی ایک سیاسی پارٹی کی رہنمائی قبول کرنے کی ضرورت ہوگی۔ ہند میں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ ایسی حالت میں اس سدھانت کو ماننے والی مزدور تنظیموں سے کوئی ایکتا سچے دل سے نہیں کر سکتے ہیں۔ آخر میں وہ اِدہر اُدہر کی باتیں کرتے رہے۔ آج کی تجویز کے پیچھے شاید اُنہی لوگوں کا ہاتھ تھا۔

چینی ماں

اپنے ساتھیوں کی رائے سے زوردار اختلاف ظاہر کرنے کے کارن طبیعت ناساز ہو گئی تھی، میں کچھ سوچ رہا تھا۔ کہ اسی درمیان شریمتی کانتی نائر ایم۔ پی نے ہمارے درمیان بیٹھی ہوئی شریمتی چنگ کی صحت کا ٹوسٹ تجویز کیا۔ ہم لوگوں نے اس تجویز کی خوشی سے حمایت کی۔ اُنہوں نے تجویز پیش کرتے ہوئے بتلایا۔ کہ اِس ادھیڑ عمر عورت کو چینی ماں کا خطاب دیا جائے کیونکہ وہ ہندوستانی ڈیلی گیشن کے ممبران کے آرام اور سہولیات، کے سلسلہ میں اتنا ہی خیال رکھتی ہے، جتنا ایک ماں اپنے بچوں کا دھیان رکھتی ہے۔ جب مترجم نے اِس بات کو چینی زبان میں اِس مہلا کو بتلایا، تو وہ کھلکھلا کر ہنس

پڑی۔ اُس نے کہا، کہ ابھی تک وہ ماں کہلانے کے لائق نہیں ہو سکی۔ چین میں عورتیں "ماں" کہلانے کا دعویٰ ابھی کر سکتی ہیں۔ جب وہ کم از کم آٹھ بچے پیدا کر چکی ہوں۔ اُس نے بتلایا، کہ ابھی تک اُس نے چھ بچوں کو جنم دیا ہے اس بات پر ہم لوگ بھی ہنس پڑے۔ لیکن اس سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ چین میں آبادی بڑھانے پر زور دیا جا رہا ہے۔ کنوارا رہنا یا بچے پیدا نہ کرنا ملک کے مفاد کے خلاف سمجھا جاتا ہے، جب شروع میں میں نے کینٹن میں ایک مزدور نیتا سے کہا۔ کہ بھارت امیر ملک نہیں ہے۔ تب اُنہوں نے کہا، کہ جس ملک میں ۳۵ کروڑ آدمی رہتے ہوں، اور کام کرنے کے لئے ۷۰ کروڑ ہاتھ ہوں۔ وہ ملک غریب کیسے کہا جا سکتا ہے۔ شاید انسانی طاقت کو ہی چینی سیاستدان دولت سمجھتے ہیں۔

شری میتی چنگ سے پہلی مئی والے دن پیکنگ ہوٹل میں ملاقات ہوئی تھی شام کو ہم لوگ آتشبازی دیکھنے گئے تھے۔ سارا پیکنگ شہر "بہشتی امن دروازہ" پر جہاں چیرمین ماؤ نے سلامی لی تھی، اکٹھا ہو گیا تھا۔ چینی آتشبازی کا مقابلہ بنارس یا لکھنؤ کی آتشبازی سے تو نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسمیں کوئی خاص خوبی نہ ہونیکی وجہ سے ہم لوگوں میں سے بہت لوگ اپنے ہوٹل واپس آ گئے تھے۔ لیکن ایسے موقعہ پر کمرے میں بیٹھے رہنا بھی کچھ اچھا معلوم نہیں پڑا۔ میں شری ٹی پرمانند کے ساتھ نکل پڑا۔ یہ بھی سوچ رہا تھا، کہ شاید لاکھوں کی اس بھیڑ میں ہم لوگ کہیں کھو ہی نہ جائیں۔ لیکن ایسی بات نہیں ہوئی۔ جگہ بہ جگہ نوجوان مرد اور عورتیں ناچ رہی تھیں۔ ہندوستانی لباس میں رہنے کے کارن ہم لوگ حیرانگی کی چیز بن گئے تھے خاصکر لڑکیاں، ہم لوگوں کو پکڑ کر اپنے درمیان لیجاتی تھیں۔ ان میں ہچکچاہٹ کا کوئی دکھائی نہیں پڑتا تھا۔

چین کی مہلائیں تھوڑے دنوں میں اتنا آگے بڑھ جائینگی۔ شاید اس کا

اندازہ بھی کوئی نہیں لگا سکتا۔ اگر ہم یہ کہیں، کہ نئے چین کے نزبان
میں آدمیوں سے زیادہ عورتوں نے حصّہ لیا ہے، تو غلط نہیں ہوگا۔
ہند کی طرح یہاں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ملنا، ایک ساتھ ناچنا
گانا کوئی بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ ہم لوگ کسی طرح جان خلاصی کر رات
کے ساڑھے بارہ بجے اپنے ہوٹل میں لوٹے تھے، سیڑھی پر ہی
اپنے میزبان شری سُنگ۔ چھوبانگ اور شری چھوگین مل گئے، ا
دونوں نے ہم دونوں کو پکڑ لیا، اور ناچنے کے لئے مجبور کرنے لگے۔
جب ہم لوگوں نے بتلایا، کہ اِس معاملے میں ہم لوگ کورے ہیں۔ تب
اُن لوگوں نے ہمیں چینی ناچ سکھانے کے لئے اُسی عورت کو بلا بھیجا
تھا۔ وہ صرف خود ہی نہیں آئی، بلکہ اپنی لڑکی کو بھی ساتھ لے آئی۔
اِس نے ہم لوگوں کو ناچ سکھانے کا کام اپنی لڑکی کے سپرد کر دیا۔
بعد میں معلوم ہوا، کہ یہ عورت گوریلا دستے میں کام کر چکی ہے۔
اور اس وقت سکیورٹی محکمہ میں کام کر رہی ہے۔ وہ ہم لوگوں کی
انچارج بھی تھی۔ کس کو کہاں جانا ہے۔ کیا کرنا ہے، کب لوٹنا ہے
وغیرہ سارے پروگرام کا علم اِس عورت کو ہوتا تھا۔

نیا شادی قانون

چین کی تاریخ میں وہاں کی عورتیں سب سے زیادہ دکھی اور
لُوٹی کھسوٹی جانے والی رہی ہیں۔ اُن کا ایک اور صرف ایک کام رہا
ہے تھا اور وہ تھا آدمیوں کو خوش کرنا۔ کینٹن میں پہلے ہی دن اس بات
کا احساس ہوا تھا، کہ نوجوان لڑکیاں پُرانی غلامی کو توڑ چکی ہیں۔ کینٹن

میں رات کے بھوجن کے بعد ہم لوگ ٹہلنے نکلے تھے، راستہ میں دیکھا، کہ ایک کتاب کی دوکان پر دو لڑکیاں ایک کتاب کو بڑے دھیان سے پڑھ رہی ہیں۔ میں نے اپنے مترجم سے پوچھا، یہ کون سی کتاب پڑھ رہی ہیں؟ مترجم نے پوچھ کر بتایا، کہ شادی کے بارے میں جو نیا قانون بنا ہے۔ وہ اسی کو پڑھ رہی ہیں۔ میں نے دیکھا، ان لڑکیوں کے چہروں پر شادی کی بات سن کر ذرا بھی شرمیلا پن نہیں آیا۔ تھین گاؤں کے محلا دبھاگ کی انچارج کماری تھاؤسنگ سے یہ پوچھنے پر، کہ اس نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی، اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا تھا، کہ اگلے برس جب وہ استاد کا کورس ختم کر لے گی، تب لازمی طور پر شادی کر لے گی۔

نئے شادی قانون کو وہاں کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بہت پسند کرتی ہیں۔ اس کے لئے سرکار کی طرف بھی کلچرل دل، ڈرامہ۔ آپرا، گانے، فلم وغیرہ سے خوب پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ تھاؤسنگ کی بڑھیا ماں سے ملنے کا بھی موقعہ ملا تھا۔ اس کے پاؤں کے تلوے بہت چھوٹے تھے۔ وہ چین کے پرانے سماج کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ میں نے اُن سے کہا۔ کہ اُن کی لڑکی بڑی چنچل ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا، کہ وہ گھر کا سارا کام کاج کر لیتی ہے۔ نئے شادی قانون کے بارے میں انہوں نے کہا، کہ وہ پرانے اتیاچاروں کی سزا ہے۔ وہ نہیں چاہتی، کہ اُن کی اولاد بھی سکھ کی زندگی سے محروم رہے۔ چینی لڑکیاں کتنی آزاد اور تہذیب یافتہ ہیں۔ اس کا احساس ہم لوگوں کو اس روز ہوا، جس دن ہم لوگ تسنگھائی میں ۸ بجے شام سے ۲ بجے رات کشتی کی سیر

کرتے رہے۔ کلچرل دَل کی لڑکیوں نے ہماری تفریح کو حد تک پہنچا دیا۔ اور سبھی ممبروں کو اپنے ناچ میں شامل کر کے ہی دم لیا۔ اگر ان سب واقعات سے چین کی مہلا سماج کا نقشہ کھینچا جائے۔ تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ چین کی عورتیں بہت زیادہ ترقی کر چکی ہیں۔ اور آدمیوں کی طرح بالکل آزاد ہیں۔ اور سماجک، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں برابر کا حصہ لیتی ہیں:

کچھ سوالات!

مَیں سوچتا ہوں، کہ بدیشیوں سے جو ڈیلی گیشن ہمارے ملک میں آتا ہے، اور سرکاری مہمان بن کر سرکار کی طرف سے طے کردہ پروگرام کے مطابق ملک کے مختلف حصوں کی سیر کرتا ہے۔ وہ لوگ بھی تو، ہندوستانی عورتوں کے سلسلہ میں اسی طرح کے خیالات لے کر جاتے ہوں گے۔ کالج کی لڑکیاں دہلی، کلکتہ اور بمبئی جیسے بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر چہل قدمی کرنے والی لڑکیاں، ڈرامہ، سنگیت اور سینما وغیرہ میں حصہ لینے والی دوشیزائیں، گورنر، وزیر اور سفیر جیسے اونچے عہدہ پر قابض مہلائیں اور سیاسی پارٹیوں کی عورت لیڈروں کو دیکھ کر کون غیر ملکی کہہ سکتا ہے، کہ ہند کی عورتیں پسماندہ، اور دبی، کچلی ہوئی ہیں۔ سول میرج ایکٹ کو جان کر ایک غیر ملکی یہی کہے گا کہ ہند نے شادی کے رواج میں انقلابی تبدیلی کی ہے۔ مغربی تہذیب کو اپنانے والی لڑکیوں کو دیکھ کر وہ کہہ اٹھے گا۔ کہ ہند کی مہلائیں ترقی کے راستے پر تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ کیا چین کا مہلا سماج

بھی ایسا ہی ہے ؟ کیا چین میں عورتوں کو جائدادوں کا حق دیا گیا ہے ؟ کیا باپ کی جائداد میں وہ بھائی کے برابر کی حصہ دار بنائی گئی ہے ؟ کیا وہ مردوں کی تفریح کا سامان نہیں رہی ؟ میں نے پیکنگ میں سُنا ، کہ لندن کے ہائیڈ پارک کی طرح چین کے لڑکے لڑکیاں — گرسیتم پر شاد پارک میں جو صحت کا ایک خاص مرکز ہے —— اپنی عیش میں مست رہتی ہیں۔ شاید مغربی تہذیب کی بیماری نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ چین کی سرکار ناچ ، گانے ، ڈرامہ اور آچار وچار کو مغرب زدہ کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کر رہی ہے۔ چین کی مہلا سماج کتنی آگے بڑھ گئی ہے۔ اس کا احساس اسی سے ہو جاتا ہے۔ کہ اکھل چینی مزدور سمیلن میں تقریباً ۹۰۰ نمائندوں میں سے مشکل سے ایک درجن عورتیں ہوں گی۔ حالانکہ سوتی کارخانوں کرنے والوں میں ۱۵ فی صدی عورتیں ہیں۔

گوری لڑکیاں کیوں ؟

پیکنگ میں ہم لوگوں کو ایک آپرہ دکھلانے کیلئے لیجایا گیا تھا ، انٹرول کے وقت میں نے دیکھا ، کہ چینی فوجی افسر جو کوریا سے لوٹے تھے ، خوبصورت یورپی عورتوں کو لیکر گھوم رہے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ یہ لڑکیاں بھی ہم لوگوں کی طرح کسی ڈیلی گیشن کی ممبر ہوکر ہمیں دوس میں حصہ لینے آئی ہونگی۔ لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ لڑکیاں پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کی ہیں۔ اور کوریا کے مورچہ پر گئے ہوئے بہادر فوجی افسروں کا دل بہلانے کیلئے لائی گئی ہیں۔ چین میں بھی تو خوبصورت لڑکیوں کی کمی نہیں ہے

کلچرل دل میں جتنی لڑکیاں تھیں۔ سب کی سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھکر تھیں۔ خاصکر اقلیتی ذاتوں کی لڑکیاں تو بہت ہی خوبصورت ہیں۔ ان لڑکیوں کی خوبصورتی کا ذکر جب میں نے پیکنگ میں اپنی ایک عورت دوست سے کیا۔ تو انہوں نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔ کہ خوبصورت لڑکیوں کو کمیونسٹ لوگ بھگا لے جاتے ہیں۔ یہ بات کہاں تک سچ ہے۔ یہ کوئی چینی ہی بتا سکتا ہے۔

۱۱ مئی کو ہم لوگوں کو بتایا گیا۔ کہ ۱۳ مئی کی شام کو ہم لوگ پیکنگ سے روانہ ہو جائیں گے۔ ہم لوگ چاہتے تھے۔ کہ چین سے واپسی کے وقت برما۔ انڈونیشیا۔ ملایا اور ہند چینی وغیرہ ملکوں میں گھوم پھر لیں۔ اس لئے اپنے میزبان سے کہہ رکھا تھا کہ ان ممالک کے لئے ویزا (VISA) کا انتظام ہو جانا چاہیئے۔ انہوں نے اس بات کا یقین دلایا تھا۔ کہ وہ اس کا انتظام کریں گے۔ ہم لوگوں کے پاسپورٹ انہی لوگوں کے پاس تھے چین میں داخل ہوتے ہی ہم لوگوں کے پاسپورٹ لے لیے گئے تھے۔ روانگی کا پیغام سنتے ہی ہم لوگوں نے ویزا کے بارے میں پوچھا۔ جواب ملا، کہ ہم لوگوں کو ہی اس کا انتظام کرنا پڑیگا۔ ہمارے کچھ ساتھی اس سے بہت ناراض ہوئے۔ اُنہوں نے اکھل چینی مزدور سنگھ کے پردھان منتری کے نام ایک سخت خط لکھا۔ انہوں نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا۔ کہ اگر ایسا ہی کرنا تھا۔ تو ہم لوگوں کے پاسپورٹ پہلے ہی دے دیئے گئے ہوتے۔ اور ہم لوگوں کو ویزا لینے کی اجازت دے دی گئی ہوتی"۔ اس خط کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ شام تک ہم لوگوں کے پاسپورٹ واپس کر دیئے گئے۔

ایک حیران کُن واقعہ:۔

۱۲ مئی کو ایک حیران کُن واقعہ ہوا ہم لوگ سنکر حیران رہ گئے ہم لوگوں میں سے کچھ ساتھی گرسیم پرشاد دیکھنے گئے تھے اور کچھ ویزا کے چکر میں سفارتخانوں کی طرف

روانہ ہو گئے۔ میں پہلے سے ہی برمی سفارتخانہ دیکھ آیا تھا۔ اس لئے وہاں جانے میں مجھے ذرا بھی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ آل انڈیا ریلوے مینز فیڈریشن کے پردھان منتری شری گوروسوامی کو بھی برما کے ویزا کی ضرورت تھی۔ وہ دیر سے اپنے ہوٹل سے نکلے۔ تب تک سبھی لوگ۔ باہر چلے گئے تھے۔ انہیں برمی سفارتخانہ کا ایڈریس معلوم نہیں تھا۔ چینی زبان نہ جاننے کے کارن کسی سے سفارتخانہ کا ایڈریس بھی نہیں پوچھ سکتے تھے۔

شری گوروسوامی سڑک پر کھڑے کچھ سوچ رہے تھے۔ کہ ادھیڑ عمر کا ایک چینی آیا۔ اُس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اُن سے پوچھا، کہ وہ کیوں کھڑے ہیں۔ شری گوروسوامی نے بتلایا، کہ وہ برمی سفارتخانہ کو جانا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں ٹھیک ایڈریس معلوم نہیں ہے۔ اس چینی نے ان سے کہا۔ کہ وہ انہیں وہاں پر پہنچا دیگا۔ شری گوروسوامی نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہو لئے۔ آگے جاکر ایک سنسان راستے سے وہ چینی شری گوروسوامی کو لے چلا۔ تھوڑی دور آگے جانے کے بعد اس چینی نے انہیں بتایا۔ کہ وہ بھوکوں مرتا ہے۔ لیکن وہ اپنی بیکاری اور بھکمری کی کہانی کسی کو بتلائے۔ تو اسے فوراً نظربندی کے کیمپ میں بھیجدیا جائیگا۔ شری گورو سوامی نے اس سے کہا۔ کہ وہ انہیں سفارتخانہ تک پہنچا تو ضرور دیگا۔ لیکن انہیں اسے کچھ محنتانہ دینا پڑیگا۔ شری گوروسوامی راضی ہو گئے۔ پھر وہ چینی گوروسوامی کو ایک گلی میں لے گیا۔ اور اپنے کوٹ کی جیب سے کچھ چینی لڑکیوں کی تصویریں نکال کر اس نے شری گوروسوامی کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور پھر آہستہ سے ان سے کہا۔ کہ وہ ان میں سے جس لڑکی کو پسند کریں۔ وہ ان کے گھر پہنچا دی جائیگی۔ شری گوروسوامی آدھی ننگی چینی عورتوں کی تصویروں کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انہیں چینی کی نیچتا پر غصہ آیا۔ اور انہوں نے اسکی بُری طرح سے خبر لی۔ وہ معافی مانگنے لگا۔ آخر میں اس نے شری گوروسوامی کو

برمی سفارتخانہ تک پہنچا دیا۔ گورد سوامی جی نے اسے ۲۰۰۰ چینی سکول (ین) کا نوٹ دیکر اپنی خلاصی کرائی۔ سفارتخانہ سے واپسی پر شری گورد سوامی جی نے جب ہم لوگوں سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ تو ہم لوگ حیران رہ گئے۔

رات زیادہ ہو چکی ہے۔ صبح کینٹن کے لئے روانہ ہو جانا ہے۔ اس لئے اپنی چارپائی پر لحاف اوڑھ کر سو گیا۔

الوداع! لال چین

آخری سٹیشن:۔

سن چین۔ یکم جون ۱۹۵۳ء۔ یہ جگہ چین کی سرحد پر آخری سٹیشن ہے۔ میں سرکاری مہمان خانہ میں بیٹھا ہوں۔ تھوڑی دیر میں ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤنگا۔ چین اور ہانگ کانگ کی سرحد کے درمیان ایک نالہ ہے۔ اس نالے پر برطانوی سپاہی چینی یاتریوں کے پاسپورٹ کی جانچ پڑتال کر رہے ہیں۔ اسی مہمان خانہ میں ۲۳ اپریل ۱۹۵۴ء کو داخل ہوا تھا۔ نئے چین کو دیکھنے کی انتہائی خواہش لیکر لوگوں سے ملکر بیحد خوشی ہوئی تھی۔ آج اس چین کو جسکی چرچا کی دھوم ہے نزدیک سے تو نہیں بلکہ یوں کہیئے، کہ جہانتک کر دیکھنے کی کوشش کی ہے سرکار کے ذریعہ طے شدہ پروگرام اور زبان نہ جاننے کیوجہ سے چین کے شہریوں کی اصلیت جان لینا آسان نہیں ہے۔ پھر بھی جو کچھ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے اسے شاید لال چین کی اقتصادی اور سماجک حالت کی ایک دھندلی سی تصویر تو کہا جا سکتا ہے۔ زبان نہ جاننے کے باوجود کچھ نزدیک رہنے والے چینی ساتھیوں سے اپنا پن سا ہو گیا ہے۔ انہوں نے مہمانوں کی عزت اور آرام کا جتنا خیال رکھا اسکو بھلایا نہیں جا سکتا۔ کینٹن سٹیشن پر الوداع کے وقت لڑکے لڑکیوں کے چہروں پر علیحدہ

ہونے کے جو نشانات دکھائی دے رہے تھے، وہ کبھی مٹ نہیں سکتے۔

کینٹن سے ہماری گاڑی دھیمی رفتار سے چل رہی تھی، ایسا خیال ہے کہ چین میں ریل گاڑیوں کی طرح زندگی کے ہر پہلو کی رفتار دھیمی ہے۔ دھیمی سے مطلب یہ ہے کہ دوسرے ممالک کے مقابلہ میں دھیمی ہے۔ اسکی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس دھیمی رفتار کو شاید موجودہ سرکار تیز کرنے کے ناقابل ہے۔ ہاں چاؤ سے ہم لوگ ایک چینی نوجوان جس کا نام ہوکانگ ہے۔ جس کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ نوجوان بہت کم بولتا ہے۔ لیکن اپنے کام کا پکا ہے۔ انگریزی بالکل نہیں جانتا۔ لیکن پھر بھی مترجم کی مدد سے سب ساتھیوں سے باتیں کر لیتا ہے۔ اسطرح یہ نوجوان ترقی کا نمونہ ہے۔ کارکنوں کے بل پر ہی چین میں کمیونسٹ سرکار قائم ہو سکی ہے۔ میں چائے پی رہا تھا کہ وہ نوجوان مترجم کو لیکر میرے پاس آیا۔ اور دھیمی آواز میں بڑے پیار سے بولا "کیا میری ڈائری پر آپ اپنا نام اور پتہ اور میرے لئے کوئی پیغام لکھ دیں گے" میں نے کوئی جواب دیئے بغیر اسکی ڈائری لے لی اور اس پر اپنا پتہ لکھ کر اتنا ہی لکھا کہ مسٹر ہوکانگ جیسے چپ چاپ کارکنوں پر ہی کسی ملک کا نرمان انحصار رکھتا ہے۔ مترجم نے جب اُسے چینی زبان میں بتلایا۔ تو اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ اور کہا "میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا، "درخواست نہیں حکم"۔ اس نے کہا "آپ چین کے شہریوں کے نام الوداعی پیغام دیں۔ آپکا پیغام ٹن چین سٹیشن پر ریکارڈ کر لیا جائیگا" میں سوچنے لگا۔ کہ اب نوجوان کو میں کیا جواب دوں۔ مکڈن، شنگھائی اور ہانچاؤ میں جب ہمارے میزبانوں نے چین کے سلسلہ میں ایشیا والوں کے نام چین کے ریڈیو سے براڈکاسٹ کرنے کیلئے اصرار کیا تھا۔ تو میں نے نفی میں انکار کر دیا۔ اپنی جان چھڑانے کیلئے میں اپنے میزبان سے کہہ دیا کرتا تھا کہ ہم لوگوں کی طرف سے ہمارے ڈیلیگیشن کے نیتا ہی بول سکتے ہیں۔ میں انفرادی حیثیت میں ریڈیو سے کسی طرح کے خیالات ایشیا نواسیوں کے سامنے نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔ میرے پہلے جواب کو جانکر ہی شاید یہ نوجوان تھا نرمی سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے آہستہ سے کہا ہمارے ڈیلیگیشن کے لیڈر کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں پیغام دینگے۔ لیکن وہ ضد کرنے لگا۔ اس نے کہا، کہ ڈیلیگیشن کا نہیں آپکا پیغام چاہیئے۔ آخر میں میں

نے الوداعی پیغام دینے کا اقرار کر لیا۔ میرے اس اقرار سے آپ کو کتنی خوشی ہوئی۔ اسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پیغام کے بعد یہ خوشی کتنی دیر قائم رہی ہوگی۔ کہا نہیں جا سکتا۔

سن چین سٹیشن پر میرا الوداعی پیغام ریکارڈ کیا گیا۔ میں نے اپنے پیغام میں استقبال اور مہمان نوازی کے لئے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کی امید ظاہر کی تھی۔ کہ ہند اور چین کی دوستی قائم رہیگی۔ میں نے اپنے پیغام میں ہند اور چین کے ماضی کے تعلقات کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی کہا، کہ مستقبل میں بھی ہم لوگ ایک دوسرے کے سیاسی، فلسفیانہ، اقتصادی اور سماجک، وچار دھاراؤں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرینگے۔ آخر میں میں نے یہ امید ظاہر کی، کہ چین اور ہند کے جمہوریت پسند عوام ایشیا سے لوٹ کھسوٹ اور جنگ کی پیاس کو ختم کر کے ایک نئے سماج کے قیام کے لئے آگے بڑھیں گے۔

غیر ملک کی طرح نہیں :-

چین میں جتنے دن میں رہا۔ غیر ملک کی طرح محسوس نہیں ہوا۔ ہند اور چین ایکدوسرے کے کتنے نزدیک ہیں۔ یہ دونوں دیشوں کو دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں ممالک کے گاؤں کھیتی باڑی کے طریقے۔ فصل اور بیاہ شادی کے رسم و رواج بہت کچھ ایک جیسے ہیں۔ مرنے کے بعد ہندوستانیوں کی طرح مرنے والے کی مکتی کیلئے شرادھ کیا جاتا ہے۔ جس کیفیت ہندوستانیوں کی طرح ہی بچوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں بتلاتی ہیں۔ کہ بھارت اور چین کے شہریوں میں آچار وچار اور سماجک رسم و رواج میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے۔ بودھ دھرم نے دونوں ملکوں کی تہذیب کو بہت نزدیک کر دیا ہو۔ پیکنگ میں اس دن میں آپرا دیکھنے گیا تھا۔ آخری کھیل دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس کھیل کا نام تھا بندر سمراٹ کھیل دیکھنے کے بعد میں نے اپنی میزبان سے پوچھا۔ کہ یہ کھیل کس پرانی کہانی کے آدھار پر تیار کیا گیا ہے۔ انہوں نے بتلایا، کہ یہ کھیل ہوانسن کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ جو ہند میں سب سے پہلے گیا تھا۔ رامائن میں آہیر دھان کی دیدی پوجا کا جو بیان ہے۔ اس کے آدھار پر یہ

تکمیل بنایا گیا ہے۔ اس سے بڑھکر ہندوستانی تہذیب کا ہمہ گیر اثر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ دیہاتی گانے وغیرہ بھی سب ہندوستانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ناچ اور گانے میں چین ہند سے بہت پیچھے ہے۔ اگر چینی ناچ کو ہم صرف نٹ بازی کہیں تو برا نہیں ماننا چاہیئے ریشم۔ دیجی اور سنگھ ناچ تو کافی اچھے تھے، لیکن موجودہ سرکار چین کے ناچ اور گانے وغیرہ کو مغربی رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

سب سے بڑی بات جو کسی بھی بدیشی کے دل پر چھاپ ڈال سکتی ہے۔ وہ یہاں کے بازاروں کی خرید و فروخت ہے۔ کسی بھی دوکان پر چلے جایئے۔ آپ کو مقررہ قیمت پر سامان مل جائے گا۔ چاہے آپ سڑک پر سامان خریدیں یا کسی بڑی دوکان سے سب جگہ آپ کو رسید ضرور ملیگی۔ چھوٹے بچے سے لیکر بوڑھے تک سب بنا کسی ہچکچاہٹ کے بازار میں چیزیں خرید سکتے ہیں۔ وہاں کے بازار میں کوئی دوکاندار مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت نہیں لے سکتا۔ اسکا کارن سرکار کی سختی ہے۔

اگر کوئی شخص سامان خرید کر لے جاتا ہے اور اگر دوکاندار نے اسے رسید نہیں دی تو پولیس اس دوکاندار کے خلاف سخت کاروائی کرتی ہے۔ اگر کسی خریدار کے پاس رسید نہیں ہے۔ تو پولیس اس شخص سے اس دوکاندار کا پتہ پوچھے گی۔ جہاں سے اس نے سامان خریدا ہے۔ پولیس دوکان کی جانچ کرے گی۔ اور اگر بکری کی رسید نہیں ملی، تو فوراً سکیورٹی محکمہ کو ٹیلیفون پر اطلاع دیدیگی۔ اطلاع ملتے ہی اس محکمہ کے افسر اس دوکان کو اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔ اگر جانچ کے بعد پتہ چلا کہ اس دوکاندار نے مقررہ قیمت سے زیادہ دام وصول کیئے ہیں۔ تو اس کی دوکان میں جو سامان ہے۔ اس کا آدھا یا دو تہائی حصہ لیکر چل دیں گے۔ کوئی مقدمہ چلانے کی ضرورت نہیں یہی اس کی سزا ہے۔ پچھلے برس اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں دی گئی تھیں۔ رشوت خوری اور کالے بازار کو روکنے کے لئے ایسے غیر انسانی طریقوں کا

استعمال کیا گیا۔ جس کو سُن کر ہی لوگوں کے دل کانپ اُٹھتے ہیں۔ ان دوزخی سزاؤں سے بچنے کے لئے خودکشیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ شنگھائی میں ہمارے ایک دوست نے بتایا۔ کہ ۱۹۵۲ء کے جاڑے میں ایک دن میں اس شہر کے ۳۷۳۔ اشخاص نے اپنے گھروں سے کود کر خودکشی کر لی تھی۔ خود کشی کو روکنے کے لئے سرکار کو اپنا رویّہ تبدیل کرنا پڑا۔ خودکشیوں سے سرکار اتنی ڈر گئی تھی۔ کہ جاڑے کے دنوں میں کھڑکیوں کو کھلا رکھنا بھی اُسے گوارا نہیں تھا۔ سرکار سمجھتی تھی۔ کہ کھڑکی کے کھُلے رہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی آدمی کود کر خودکشی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے جس گھر کی کھڑکی کھُلی رہتی تھی، پولیس اُس گھر میں گھُس جاتی تھی۔ اور پتہ لگاتی تھی۔ کہ کھڑکی کیوں کھُلی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ رشوت خوری اور بلیک مارکٹنگ روکنے میں قریباً چار لاکھ چینیوں کی جانیں گئیں۔ کچھ تو خودکشی کا شکار ہوئے۔ اور کچھ سرکاری گولیوں کا۔ ان میں بڑے بڑے سرکاری افسر اور کمیونسٹ نیتا بھی شامل ہیں۔

چین کدھر جا رہا ہے؟

میں سوچتا ہوں، کہ چین کدھر جا رہا ہے۔ کیا چین کبھی یورپی دیشوں کی نقل کر کے چینیوں کی زندگی سُکھی بنا سکیگا؟ کیا بچّوں کے دماغ کو غلامی کی بیڑی میں جکڑ کر اور دہشت کا سامراج قائم کر کے اس چین کا نرمان ہو سکے گا؟ جو برابری، بھائی چارہ اور ان کے آدھار پر ہو؟ کیا چین کی صنعتی ترقی یورپی پیمانہ پر ہو سکے گی؟ اس کے پاس نہ سرمایہ ہے نہ کوئلہ اور نہ لوہا ہی۔ پھر وہ بڑے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے کیوں دیوانہ ہے؟

کیا راج نیتک طاقتوں کو مرکوز کرنے سے تانا شاہی کا جنم نہیں ہوگا۔؟ چار سال میں چین نے جو ترقی کی ہے۔ اس سے تو امن کی زندگی نہیں بنا پائے گا۔ میں تسلیم کرتا ہوں، کہ چار سال میں ــــ چین کے پاس جو سادھن ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے ــــ چین کو جتنی امید کی جا سکتی تھی، اتنی کامیابی ہوئی ہے چین کے سادھنوں کو دیکھتے ہوئے نرمان کا جو کام بھی ہوا ہے۔ وہ قابلِ ستائش ہے۔ لیکن جو طریقے اپنائے گئے ہیں۔ اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے، ملک کے نام پر چین کے شہری تھوڑے دنوں کے لئے اپنا سب کچھ تیاگ دیں۔ لیکن یہ قربانی مستقل نہیں ہو سکتی۔ اس کی ایک حد بھی ہوتی ہے۔ روس سے اس کا سبق لیا جا سکتا ہے۔ جس روسی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر لینن کے زمانہ میں سب سے زیادہ تیاگی تھے۔ وہی لوگ آج روس کے سب سے بڑے بھوگی ہیں۔ ہٹلر کی رہنمائی میں جرمنی نے بھی حیران کن ترقی کی تھی۔ چین کدھر جا رہا ہے، نرمان یا تباہی کی طرف، اس کا فیصلہ مستقبل میں تاریخ دان ہی کر سکیں گے۔

اب وقت ہو گیا۔ سنری ہو ــ کانگ سامنے کھڑا ہے۔ آنکھیں غمناک ہیں۔ میں نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر الوداع کہی، نالہ پار کر برطانوی علاقہ میں داخل ہو گیا۔ چینی ساتھی ہم لوگوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میں دل میں کہہ رہا ہوں، لال چین! الوداع!